عبارت سرِ دیوار

فاروق ارگلی

عبارت سرِ دیوار

فاروق ارگلی

اب پھیل کر ہنسی بن گئی ہے۔ خدا اس ہنسی کو سلامت رکھے۔

مضمون ختم کرنے کے سے قبل میں فاروق ارگلی کی خودداری کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ میں نے ان جیسا خوددار قلمکار کم دیکھا ہے۔ ان سے پہلے مضطر ہاشمی میں یہ صفت پائی تھی جواب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن ان کی خودداری پر کبھی کبھی "اکڑ" کا شبہہ ہوتا تھا جبکہ فاروق ارگلی کی خودداری میں "اکڑ" نہیں بلکہ اپنے قلم اور اپنی صلاحیتوں پر اعتماد پایا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل فاروق ارگلی پاکستان کے ادبی سفر پر گئے تھے۔ وہاں ایک مشاعرہ میں جب ان کا تعارف کرایا گیا تو کسی دل جلے نے آواز بلند سوال کیا، یہ فاروق تو سمجھ میں آتا ہے--- مگر یہ ارگلی کیا بلا ہے؟ انھوں نے ایک خاص انداز میں جواب دیا۔ "یہ بھی ٹنڈو آدم جیسی ایک چیز ہے" (واضح رہے کہ ٹنڈو آدم کراچی کے قریب واقع ایک شہر ہے) اس بے ساختہ جواب پر اہلِ مشاعرہ ہنس پڑے اور فاروق ارگلی بمشاعرہ پر چھاگئے۔ آج کل فاروق ارگلی کو جن لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑ رہا ہے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ادب کی کھیتیاں چر چکے ہیں اور اپنی چرب زبانی سے دن کو رات اور رات کو دن بنا کر پیش کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ معلوم نہیں ان لوگوں سے کب تک نباہ کر سکیں گے لیکن یہ بات تو یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس طرح کے لوگوں کا مقابلہ وہ اپنی وفاداری اور خودداری سے کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

پروانہ رودولوی

۱۷۸، شیو کھنڈ، وشوکرما نگر،

دہلی-۱۱۰۰۹۵

یہ خبر شائع ہوئی اخبار میں
آبروِ سستی ہوئی بازار میں

میری "میں" نے دور رکھا ہے مجھے
ورنہ میں ہوتا تری سرکار میں

نیک نامی سے تو رسوائی بھلی
میں بہت مقبول ہوں اغیار میں

حق پرستی کی کوئی قیمت ہے کیا
کیا دھرا ہے جرأتِ اظہار میں

فکر و فن تنقید میں الجھے ہوئے
شاعری مردہ ہوئی تکرار میں

اک چمکتی کار جس کے پاس ہو
وہ ہی جائے کوچۂ دلدار میں

☆

واعظ کی گفتگو میں عجب قال و قیل ہے
جیسے وہ اس زمیں پہ خدا کا وکیل ہے

جو سرحدِ گناہ سے آگے نکل گیا
بزمِ جہاں میں اس کا ہی ذِکرِ جمیل ہے

جاری ہے ایک منزلِ موہوم کا سفر
ہر لمحہ اس سفر کا نیا سنگِ میل ہے

لاغر ہوں ورنہ جاتا عیادت کے واسطے
سنتا ہوں آج میرا مسیحا علیل ہے

کرتا تو میں بھی اپنی وفاؤں کا کاروبار
پر کیا کروں کہ عشق کی پونجی قلیل ہے

آغاز قافیہ ہے تو انجام ہے ردیف
میری غزل کی بحر بھی کتنی طویل ہے

☆

اس نے جب رسمِ وفا کا نیا مفہوم لکھا
پھر تو ہم نے بھی روایات کو مرحوم لکھا

مجھ کو شکوہ بھی نہیں اپنی زبوں حالی کا
اس نے اچھا ہی سمجھ کر مرا مقسوم لکھا

سب سے اونچی یہ عدالت بھی ترے حق میں گئی
فیصلے میں ترا خنجر، مرا حلقوم لکھا

اس کا دفتر بھی انوکھا ہے محرّر بھی عجیب
گل کو پتھر لکھا صیاد کو مظلوم لکھا

یہ زمانہ مرا مکتب ہے زمیں میری کتاب
جو پڑھا ہے وہ سنایا، جو ہے معلوم لکھا

تبصرہ فن پہ مرے خوب کیا ہے اس نے
میرے اشعار تغزّل سے ہیں محروم لکھا

حق نگاری ہے کہ سودائے قلم ہے فاروقؔ
حاکمِ وقت کو اضداد کا محکوم لکھا

☆

دشتِ اَنا کی آتشیں بہار چھین لے گیا
ابرِ کرم تو پیاس کا وقار چھین لے گیا

☆

وقت کے دشت میں بے نام شجر کچھ بھی نہیں
نور و ظلمت کے سوا شام و سحر کچھ بھی نہیں

آگہی، ذات، انا، رمز، خودی، گیرائی
صرف الفاظ، بہ الفاظِ دگر کچھ بھی نہیں

موت کے خوف سے تفسیرِ بقا کی ہم نے
زندگی یوں تو بہت کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

وہ اگر رنگ لٹاتا ہے تو بے رنگ بھی ہے
رنگ مل جائیں تو پھر پیشِ نظر کچھ بھی نہیں

اس خلا میں کسی سورج کی حقیقت کیا ہے
میں وہ فنکار ہوں جس میں کہ ہنر کچھ بھی نہیں

☆

ظالم کو اپنے ظلم پہ اِتراتا دیکھ آئے
مظلومیت کے جرم کا خمیازا دیکھ آئے

سب جنتِ نگاہ تھا خوباں کی بزم میں
کچھ اہلِ دل بھی درد کا گہوارا دیکھ آئے

فریاد کس سے کرتے کہ وہ خود ہی قید تھا
حاکم کے گھر کا آہنی دروازا دیکھ آئے

ہم ہی بھٹکتے رہ گئے امکاں کے دشت میں
وہ دوسرا قدم بھی تمنا کا دیکھ آئے

گھبرا کے شورِ شہر سے صحرا میں بھی گئے
دہشت سے چیختا ہوا سناٹا دیکھ آئے

رہبر کھڑا تھا نیزے پہ خود اپنا سر لئے
خود سر سیاستوں کا یہ نظارا دیکھ آئے

فاروقؔ کیا، وہاں تو سبھی کم نگاہ تھے
جو کچھ دِکھانے والے نے دِکھلایا، دیکھ آئے

خدا کے بارے میں سمجھا رہا تھا
بنا کر کچھ کھلونے توڑ ڈالے

☆

سنسنی خیز خبر ہونے کو جی چاہے ہے
جانے کیوں شہر بدر ہونے کو جی چاہے ہے

جس نے اک بار بھی دیکھا نہیں میری جانب
اس کا منظورِ نظر ہونے کو جی چاہے ہے

خوف یہ ہے کہ کہیں میں بھی نہ تجھ سا بن جاؤں
میں ستمگر نہیں پر، ہونے کو جی چاہے ہے

تھک گیا ہوں کہ میں اب تک بہت آرام سے تھا
پھر سے سرگرمِ سفر ہونے کو جی چاہے ہے

مدّتوں عقل کے زنداں میں مقیّد رہ کر
عشق میں خاک بہ سر ہونے کو جی چاہے ہے

☆

سُنے گا کیسے محبت کی داستاں کوئی
یہاں سمجھتا نہیں ہے مری زباں کوئی

پرانی ہو گئی دنیا مرے غموں کی طرح
بسائے گی مری وحشت نیا جہاں کوئی

اسی نے قتل کیا جس کو پاسباں سمجھا
وہی بچے گا نہ ہو جس کا پاسباں کوئی

ہر ایک شخص بھری بھیڑ میں بھی تنہا ہے
کوئی کسی کا ندیم اور نہ رازداں کوئی

بہار جاتی ہے جائے چمن جلے تو جلے
میں ڈھونڈ لوں گا خزاں میں بھی آشیاں کوئی

وہ میرے درد کو سمجھے تو کس طرح فاروقؔ
کہ اس پہ بھی تو نہیں آج مہرباں کوئی

☆

وہ آگ ہے تو اسے چھو کے دیکھنا چاہوں
اگر ندی ہے تو پھر اس میں ڈوبنا چاہوں

میں سب کے سامنے باطل قرار دوں جس کو
اسی صنم کو اکیلے میں پوجنا چاہوں

خلوص تیرے لئے جنس بے حقیقت ہے
میں نقدِ جاں کے عوض بھی خریدنا چاہوں

خیال و فکر کی حد سے کبھی نہیں گزرا
پر اب تو حد سے گذر کر بھی سوچنا چاہوں

میں آرزوؤں کا قاتل، مری سزا کیا ہے
یہ اپنے دل کی عدالت سے پوچھنا چاہوں

اس خلا میں کسی سورج کی حقیقت کیا ہے
میں وہ فنکار ہوں جس میں کہ ہنر کچھ بھی نہیں

نام .... کنور محمد فاروق خاں

قلمی نام .... فاروقؔ ارگلی

والد .... کنور عبدالہادی خاں

والدہ .... محترمہ زبیدہ خاتون

خاندان...................... سوریہ ونشی ٹھاکر، ارگل راج گھرانے کی مسلم شاخ گوتمانہ

پیدائش .... ۳؍ جنوری ۱۹۴۰ء (ہردوئی، یوپی)

وطنِ مالوف .... موضع مِسّی، ضلع فتحپور، یوپی

تعلیم .... درجہ چہارم، پرائمری اسکول، عالم گنج، فتحپور، یوپی

فیضانِ علم وادب .... درخاکِ پاک، شہرِ خواجگانِ بست ودو، دہلی

سکونت دھلی .... ۱۹۵۵ء سے

پتہ .... اولیا منزل، ۲۵، گنیش پارک، رشید مارکیٹ، دہلی، ۱۱۰۰۵۱

دفتر .... ۱۲۲۹، کلاں محل، دریاگنج، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

.... فون :(دفتر) ۳۲۶۹۲۱۳ (رہائش) ۲۲۴۸۹۵۲

سکریٹری .... عالمی اردو کانفرنس (رجسٹرڈ) نئی دہلی

جنرل سکریٹری .... آل انڈیا اردو مورچہ، نئی دہلی (منظور شدہ سیاسی جماعت)

بانی، جنرل سکریٹری .... قرآن ہندی سوسائٹی - انڈیا (رجسٹرڈ) دہلی

جنرل سکریٹری .... آل انڈیا انجمن ترقی ادب، دہلی

بانی، صدر .... انڈین سیکیولر سوسائٹی، رجسٹرڈ، دہلی

صدر .... انجمن آوازِ انسانیت، دہلی

صدر .... دہلی رائٹرس فورم، نئی دہلی

سابق صدر .... دَلِت مسلم یونائٹڈ فرنٹ (قائم کردہ: بابو جگ جیون رام)

جنرل سکریٹری .... اسلامک کونسل آف انڈیا، نئی دہلی

☆

بجز تصویرِ زہد و اتقا، رہبر نہیں لگتے
کسی بھی زاویے سے آدمی بہتر نہیں لگتے

حدیثِ دلبراں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے
کہ جو دل میں رہا کرتے تھے اب دلبر نہیں لگتے

بظاہر کچھ حسیں چہرے نگاہیں تھام لیتے ہیں
مگر دل کے تناظر میں وہ خوش منظر نہیں لگتے

غضب کی سنگ باری میں بھی یہ کہنا پڑا ہم کو
کسی نے پھول برسائے ہیں، یہ پتھر نہیں لگتے

سنہرے کینچوے جو رینگتے ہیں فرشِ مخمل پر
یہ دنیا کو نِگل جائیں مگر اژدر نہیں لگتے

ابھی فاروقؔ جی مشکل پڑے تو چیخ اٹھتے ہیں
بڑھاپے میں بھی حضرتِ رنج کے خوگر نہیں لگتے

میں اردو ہوں

میں اعلانِ صداقت ہوں، صحیفہ ہوں فراست کا
تبسم ہوں مروّت کا، تکلم ہوں شرافت کا

نہ ہندو ہوں نہ مسلم ہوں نہ میں سکھ ہوں نہ عیسائی
میں لہجہ آدمیّت کا، میں نغمہ ہوں اخوت کا

میں بھکتی ہوں تصوف ہوں عبادت ہوں عقیدہ ہوں
کتابِ عشق ہوں، اظہار ہوں رمزِ طریقت کا

میں شبنم ہوں میں خوشبو ہوں ضیائے ماہ و انجم ہوں
مرے نورانی پیکر سے عیاں ہے نور فطرت کا

میں اردو ہوں، مرا چرچا ہے مشرق اور مغرب میں
مرے ہر لفظ میں پیغام ہے امن و محبت کا

مجاهدِ اردو

علی صدیقی

(بانی، صدر عالمی اردو کانفرنس)

جہد اُردو کے رضاکار علی صدیقی
لشکر اُردو کے سالار علی صدیقی

کوئی محبوب نہیں دُنیا میں اُردو کے سوا
عشقِ اردو میں ہیں سرشار علی صدیقی

مال و دولت کی ہوس اور نہ شہرت کی طلب
صرف اردو کے طلبگار علی صدیقی

گیسوئے اُردو سنور جائے یہ حسرت انکی
ہیں اسی غم میں گرفتار علی صدیقی

سامنے آیا جو اردو کو مٹانے کے لئے
بن گئے آہنی دیوار علی صدیقی

لڑ رہے ہیں کہ ملیں اردو کو آئینی حقوق
لے کے سچائی کی تلوار علی صدیقی

زندگی کیا کہ ہے، ایمان سے بڑھ کر اردو
کہہ رہے ہیں سر بازار علی صدیقی

داستانِ اُردو

پچاس سال کے زخموں سے چور چور تھی وہ
مگر وہ مر نہ سکی، سخت جان اتنی تھی
ہزار ظلم بھی اس کا نہ کچھ بگاڑ سکے
کراہتی تھی تڑپتی تھی، زندہ رہتی تھی
وہ جانتی تھی کہ ہے، دشمنوں کے نرغے میں
وہ پھر بھی خوش تھی، بہر حال اپنے گھر میں تھی

جو سرپرست تھے دراصل اس کے دشمن تھے
وہ چاہتے تھے کہ یہ اپنی موت مر جائے
پر اس کے قتل کے الزام سے بھی ڈرتے تھے
تحفظ اس کا نمائش کے لئے کرتے تھے

حقیقت اور ہی کچھ تھی مگر پس پردہ
وہ سوچتے رہے ترکیب اِک زمانے تک
کہ اس بلا سے وہ پیچھا چھڑا سکیں کیسے
بالآخر ایک طریقہ انہوں نے سوچ لیا
اور اس کو سونپ دیا تاجروں کے ٹولے کو
مصاحبوں کو، حکومت کے خوشہ چینوں کو
اور ان سے کہہ دیا لے جاؤ اس بچاری کو

نجی گروہ بنا کر اسے پناہ میں لو
تم اس کے اپنے ہو جو چاہو وہ سلوک کرو
تمہارے ہاتھوں سے مر بھی گئی تو اچھا ہے
ہم اس کے قتل کے الزام سے بری ہوں گے
تم اس کے واسطے سالانہ کچھ رقم لے لو

یہ داستان ہے اردو کی کم نصیبی کی
جو سرپرست تھے اس کے، برائے نام سہی
وہ پیچھے ہٹ گئے اردو کی ذمہ داری سے
بنا کے کونسل اردو سے ناطہ توڑ لیا
اور اس کو سونپ دیا چند بے ضمیروں کو
یہ دشمنی تھی مگر دوستی کے پردے میں

بہت ہی خوش تھے وہ گھر سے نکال کر اس کو
مگر وہ بھول گئے یہ زباں تو سب کی ہے
جو خوشبوؤں کی طرح سارے جگ میں پھیل چکی
نئے زمانے میں سارا جہاں ہے گھر اس کا
اب اس کو گردشِ دوراں مٹا نہیں سکتی
کہ یہ زبان کروڑوں دِلوں میں بستی ہے

انوورت گیت

جین منی شری آچاریہ تلسی کے روحانی ھندی گیت کا منظوم ترجمہ
جسے آنجھانی تلسی جی نے بہت پسند فرمایا تھا۔ (ف ا)

زہدو تقویٰ ہو شعارِ زندگی
غسل کر کے چشمہ کردار میں ہر آدمی
روح ذہن و دل کی حاصل کر سکے پاکیزگی
آدمیّت کے لئے ہے بس یہ رازِ آگہی
زہدو تقویٰ ہو شعارِ زندگی

تزکیۂ نفس ہی انوورت کی تفسیر ہے
ساری تفریقوں سے بالا دھرم کی تصویر ہے
چند چھوٹے سے عزائم انقلابِ باطنی
زہدو تقویٰ ہو شعارِ زندگی

رشتۂ یکجہتی سب میں استوار ہوتا رہے
ہر بشر پیار اور اخوت پر نثار ہوتا رہے
پاک روزی نیک کرداری ہو طرزِ بندگی
زہدو تقویٰ ہو شعارِ زندگی

عبد بن کر ہی عبادت حق کی کر سکتے ہیں ہم
نیک بن کر دکھ کا دریا پار کر سکتے ہیں ہم
زندگانی کا فقط مقصد ہو امن و آشتی
زہد و تقویٰ ہو شعارِ زندگی

آدمی بدلے تو بدلے خود بخود ملک و سماج
تلسی انوڑت کی صدا بدلے گی عالم کا مزاج
وقف انسانی اصولوں کے لئے ہو زندگی
زہد و تقویٰ ہو شعارِ زندگی

اندرا گاندھی

اندرا گاندھی جمالِ عظمتِ ہندوستاں
اندرا گاندھی قیادت کی سنہری داستاں
اندرا گاندھی عوامی راج کا روشن نشاں
اندرا گاندھی تھی امن و آشتی کی پاسباں
اندرا گاندھی کا لوحِ وقت پر کندہ ہے نام
اندرا گاندھی سے روشن ہو گیا عالم تمام

اندرا گاندھی سیاست میں صداقت کا شباب
اندرا گاندھی شرافت اور مروّت کی کتاب
اندرا گاندھی نے پورے کر دیئے نہرو کے خواب
اندرا گاندھی کہ اپنی ذات میں اپنا جواب
اندرا گاندھی برائی کے لئے شمشیر تھی
اندرا گاندھی نئے خوابوں کی اِک تعبیر تھی

اندرا گاندھی کا مذہب صرف انسانوں سے پیار
اندرا گاندھی کا مقصد اپنے بھارت کا وقار
اندرا گاندھی ہر اِک ٹوٹے ہوئے دل کا قرار
اندرا گاندھی نے حق پر جان بھی کر دی نثار
اندرا گاندھی نے اپنے خون سے سینچا وطن
اندرا گاندھی سے پھر تازہ ہوئی رسمِ کہن

دعا

شاعر محترم موسیقارِ اعظم نوشاد کے لئے

جس نے سازوں کو زندگی دی ہے
جس نے نغموں کو دلکشی دی ہے
جس کی موسیقی فن کی ہے معراج
شاعری کا بھی جس کے سر پر تاج
نام ہی جس کا فن کی عظمت ہے
ساری دنیا میں جس کی شہرت ہے
آیئے آج یہ دعا مانگیں

"وہ سلامت رہے ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

تصنیفات و تالیفات

اسلامیات: شاندار تاریخ اسلام (اردو، ہندی)، تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان، جنت کے روح پرور حالات، دوزخ کے خوفناک حالات، احوالِ برزخ، سوانح خواجہ غریب نوازؒ، خزانۂ عملیات، احوالِ جنات، ترسیبِ نماز، جنگ نامہ منظوم وغیرہ۔

جاسوسی ناول: تقریباً ۱۰۰ (اردو/ہندی)۔

رومانی ناول: تقریباً ۴۰ (اردو/ہندی) بشمول، تلاطم، دل کی بستی، شاید سحر ہو جائے، نئے داغ نئے پھول، ہائے میں ہار گئی، تم بے وفا ہو، بد چلن، رنڈی، جے پور کا خزانہ، بہادر شاہ ظفر، قلی سے کروڑ پتی، مہارانی پدمنی، رضیہ سلطان، کرسٹین کیلر وغیرہ۔

ساماجك هندی ناول (قلمی نام رتی موہن): ۳۰ ناول بشمول، پیاسا، گھائل، شرارت، طوفان، بیراگی وغیرہ وغیرہ۔

تکنیکی کتابیں: پاٹریز گائڈ (چینی مٹی کی صنعت، ہندی)، لیڈیز ڈریس ٹیلرنگ گائڈ (ہندی)، فلم ایکٹنگ گائڈ، دلیپ ایکٹنگ کورس، جنسی مسائل وغیرہ۔

سیاسی کتب: قتلِ عام، ایمرجنسی کے جرائم، آپات استھتی اور چناؤ (ہندی)، لوک نائک جے پرکاش نارائن (ہندی)، جناح کے نیتا (ہندی)، محمد علی جناح (اردو)، بابری مسجد حقائق کے آئینے میں (اردو)

فلمی کتابیں: بلراج ساہنی (اردو)، ملکۂ غم مینا کماری (اردو)، فلمی معاشقے (اردو)، اوہ بمبئی (اردو)، امیتابھ بچن (ہندی)، دھرمیندر ہیمامالنی، (ہندی) فلمستان کی پریاں۔

افسانے: تقریباً ۵۰ (ہندی، اردو)

ادبی تحریریں: اردو کی کہانی اردو کی زبانی (ہما، اردو نمبر)، لو بھئی سنو داستان غالبؔ کی (ہما، غالبؔ نمبر)، دہلی میں غالبؔ والوں کی سیر (ہما، غالب صدی شمارے)

شاعر ہند فراقؔ گورکھپوری (تحقیقی مقالہ)

مرتّب

عالمی مشاعرہ (شعراء کرام کے سوانحی خاکے) ناشر: عالمی اردو کانفرنس

شاعرِ ہند فراقؔ گورکھپوری (فراقؔ صدی پر عالمی اردو کانفرنس کی خصوصی اشاعت)

حضرت مجروحؔ سلطانپوری

اوج و فراز، علم کے مینار کی طرح
فکرِ رسا ہے ابرِ گہر بار کی طرح

تہذیبِ عشق و دل کی روایات کا امیں
شہرِ غزل میں فن کے نگہدار کی طرح

ہر لفظ اس کا جیسے کہ معنی کا اِک طلسم
ہر شعر جس کا مطلعِ انوار کی طرح

کلکِ غزل نے درج کیا لوحِ عصر پر
اِک نام، اپنے سچّے وفادار کی طرح

ترانۂ دہشت گرداں

ہمیں کھیتوں سے نفرت ہے، ہمیں باغوں سے نفرت ہے
ہمیں غنچوں سے نفرت ہے، ہمیں پھولوں سے نفرت ہے
ہمیں غیروں سے اُلفت ہے، مگر اپنوں سے نفرت ہے
شرافت اور صداقت کے سبھی قصّوں سے نفرت ہے
کہ دہشت گرد ہیں، ہم کو زمانے بھر سے نفرت ہے

نہ ہم سکھ ہیں نہ مسلم ہیں، نہ ہندوں ہیں نہ عیسائی
وطن کیا چیز ہے، ماں باپ کیا، کیسے بہن بھائی
ہمارا دھرم و مذہب، کشت و خوں، حملہ و پسپائی
ہمیں تو صرف نردوشوں کی جانوں کی ضرورت ہے
کہ دہشت گرد ہیں، ہم کو زمانے بھر سے نفرت ہے

وطن کے دشمنوں سے تحفتاً ہتھیار لیتے ہیں
ہر اِک پَل نام شیطانوں کا سو سو بار لیتے ہیں
نہتے گر ملیں دوچار دس تو مار لیتے ہیں
یہی ہے مشغلہ اپنا اسی سے اپنی شہرت ہے
کہ دہشت گرد ہیں، ہم کو زمانے بھر سے نفرت ہے

سیاست کا ہماری اور آخر مدّعا کیا ہے
کوئی باقی نہ رہ جائے فقط اتنا ہی سوچا ہے
اور اس دیوانگی میں اک انوکھا خواب دیکھا ہے
ہماری شیطنت کا راج ہو جائے یہ حسرت ہے
کہ دہشت گرد ہیں، ہم کو زمانے بھر سے نفرت ہے

ہمارے راج میں حیوانیت کی مستیاں ہوں گی
ہمارے راج میں اَلگاؤ کی پالیسیاں ہوں گی
ہمارے راج میں تاراج ساری بستیاں ہوں گی
نئی ہر لاش اپنے راج کی جیسے مہورت ہے
کہ دہشت گرد ہیں، ہم کو زمانے بھر سے نفرت ہے

مشورہ

اگر اندازہ ہو جائے تمہیں بھی اس حقیقت کا
غلط ہے راستہ اپنوں سے نفرت اور عدلوت کا
یہ اچھا ہو کہ دامن تھام لو بڑھ کر محبت کا
بغاوت اور جنگ، سب کیلئے رنج اور آفت ہے
اور امن و آشتی میں زندگی، آرام و راحت ہے

اردو نامہ

باتیں تو سب بناتے ہیں اردو کے واسطے
کچھ کرتے نہ کراتے ہیں اردو کے واسطے
بس مرثیے سناتے ہیں اردو کے واسطے
خود روتے اور رلاتے ہیں اردو کے واسطے
رہ رہ کے تلملاتے ہیں اردو کے واسطے
اور اپنا دل جلاتے ہیں اردو کے واسطے

کچھ لوگ اردو والوں میں ہیں صاحبِ نظر
اردو کے حق کے واسطے پھرتے ہیں دربدر
اردو کا ذکر کرتے ہیں ہر روز منچ پر
کوشش یہ کرتے رہتے ہیں اپنی بساط بھر
کچھ مورچہ لگاتے ہیں اردو کے واسطے
اک حشر بھی اٹھاتے ہیں اردو کے واسطے

اوپر کے لوگ کرتے ہیں کچھ غور و فکر بھی
کہتے ہیں نیتا اردو تو بھاشا ہے ہند کی
یہ بھی کہ کتنی میٹھی ہے اردو کی شاعری
اور دل ہی دل میں کہتے ہیں مٹ جائے یہ ابھی
جلسوں میں دندناتے ہیں اردو کے واسطے
بغض اپنا یوں چھپاتے ہیں اردو کے واسطے

خفیہ مٹنگ میں ہوتے ہیں باہم یہ مشورے
اردو کو ہونا چاہئے اس دیش سے پرے
لیکن یہ اردو والے بھی ہوتے ہیں سر پھرے
ایسا کرو کہ لاٹھی بچے، سانپ بھی مرے
اِک کونسل سجاتے ہیں اردو کے واسطے
ممبر کئی بناتے ہیں اردو کے واسطے

ممبر جو نیتا جی سے ملے یار بن گئے
اردو کے قتل میں وہ مدد گار بن گئے
دو چار ان میں خاص خبردار بن گئے
یعنی کہ وہ مصاحب دربار بن گئے
کچھ اُن میں دُم ہلاتے ہیں اردو کے واسطے
انگلش میں گیت گاتے ہیں اردو کے واسطے

کوشش یہ ہے کہ بند ہوں اردو کے سارے کام
اسکولوں، دفتروں میں نہ ہو باقی اس کا نام
ہر روز اِک مشاعرہ کرتے رہیں عوام
دانشوروں کو ملتے رہیں خدمتوں کے دام
جو شور بھی مچاتے ہیں اردو کے واسطے
اور سوانگ بھی رچاتے ہیں اردو کے واسطے

اردو کے رہبروں کی بھی حالت کروں بیاں
بس ایک بات سارے زمانے پہ ہے عیاں
یہ جانتے ہیں چھین رہے ہیں وہی زباں
پھر بھی یہ دشمنوں کو سمجھتے ہیں مہرباں
مژدے نئے سناتے ہیں اردو کے واسطے
مادہ کو نر بتاتے ہیں اردو کے واسطے

یہ ہاں میں ہاں ملانے کے ماہر بھی ہو گئے
جو مل رہا ہے اس پہ یہ شاکر بھی ہو گئے
یہ قصہ گو، ادیب و شاعر بھی ہو گئے
تنقید و تبصرے میں یہ شاطر بھی ہو گئے

دریائے فن بہاتے ہیں اردو کے واسطے
اور سُر میں سُر ملاتے ہیں اردو کے واسطے

اردو کے دشمنوں کی تھی اِک چال یہ نئی
قائم ہوئی پھر اردو کی اِک یونی ورسٹی
سب ماہرین بولے کہ یہ بات ہے بھلی
اردو کی ڈگری سے نہ ملے چاہے نوکری

بھاری بجٹ بناتے ہیں اردو کے واسطے
اردو کا مال کھاتے ہیں اردو کے واسطے

اردو تو مٹ رہی ہے مگر ہم کو غم نہیں
دعویٰ ہے عاشقی کا مگر سچ ہم نہیں
اردو کے لئے لڑنے کا اب ہم میں دَم نہیں
سچ پوچھئے تو دشمنی میں ہم بھی کم نہیں

بس برسیاں مناتے ہیں اردو کے واسطے
زردہ پلاؤ کھاتے ہیں اردو کے واسطے

غیرت جو ہوتی باقی تو ہر گز نہ ڈرتے ہم
طاقت سے اپنے ووٹ کی چیلنج کرتے ہم
جمہوریت کے دور میں یہ کر گزرتے ہم
اردو کے حق میں ان کو بھی مجبور کرتے ہم

ہم ہیں کہ جی چراتے ہیں اردو کے واسطے
جھوٹی وفا دکھاتے ہیں اردو کے واسطے

☆

آسانی

شیلے، ایلیٹ، کیٹس
بائرن، اسپنسر، موپاساں
آئیملی ژولاں، پال سارتر
گورکی، ٹالسٹائی
مغرب کے کچھ اور بزرگوں کی تحریریں
پڑھ کر غالبؔ و میرؔ کو تولو
عصری ادب کی تہہ میں اترو
فکری جہتوں کو پہچانو
کاغذ، گوند اور قینچی لے کر
چند مقالے لکھ ڈالو اور دانشور بن جاؤ

اردو میں آسانی ہے

متفرقات

اردو کو برا کہتے ہیں اردو زبان میں
اُن کو برا کہوں تو کہوں کس زبان میں

☆

تم اک نگارشِ شیشہ گراں ہوئے تو کیا
کہ سنگِ وقت کا اِک شاہکار ہم بھی ہیں

☆

جب طلسمِ ذات کے پردے اُٹھے
آ گئے مٹھی میں ساتوں اسماں

بہت مجبور ہو کر ہی کوئی ظالم بنا ہوگا
جو سچ پوچھو تو ظالم بھی بہت مظلوم ہوتا ہے

☆

خشک ہڈّی کو چباتا ہوا زخمی کُتّا
اپنے ہی خون کو پی کر وہ مگن ہے کیسا

☆

ایسے دشمن کو بھلا کس طرح دشمن سمجھیں
جس بچارے کو عداوت کا سلیقہ بھی نہیں

☆

حسنِ شباب عمر کے موسم کے پھول تھے
موسم گیا تو پودوں پہ کانٹے ہی رہ گئے

یوں تو مجرم ہوں، صفائی میں مگر ایک سوال
تو بتادے کہ مجھے ایسا بنایا کس نے

☆

رنج دیتے ہو مگر رنج سے کیا
تم خوشی دو تو خوشی سے مر جاؤں

☆

دروغ گوئی کو دینے لگا ہوں سچ کی سند
اسی لئے وہ مجھے محترم سمجھتے ہیں

☆

اپنی بولی سے وہ خود ہی بے مزہ ہونے لگا
اس کو اردو کی وہی قندِ مکرر چاہئے

☆

عشق جب سر کو چھپائے تو پاؤں کھل جائیں
ہمارے ظرف کی چادر بھی کتنی چھوٹی ہے

☆

ہوا جب سے غمِ جاناں ندارد
سکونِ دل کا ہر ساماں ندارد
وہ ہر لمحہ نظر کے سامنے ہے
پر اس سے ملنے کا امکاں ندارد
اسی کو کہہ رہے ہیں زندگانی
ہزاروں رنج اور خوشیاں ندارد

☆

پیاسا

دھرتی، سورج، چاند، ستارے
ساگر، ندیاں، کوہ، بیاباں
گرمی، سردی، ابرِ باراں
شبنم، خوشبو، رنگت، نکہت
سونا، چاندی، دانش، حکمت
طاقت، شہرت، عظمت، ثروت

سب کچھ پاکر بھی پیاسا ہے
پیاسا ہی مر جائے گا۔

مولائے کائنات (حضرت علیؑ کی شان میں منقبتی شاعری کا عالمی انتخاب) زیرِ طبع

نذرِ غالبؔ (دوسری غالبؔ صدی تقریبات پر عالمی اردو کانفرنس کی اشاعت خاص) زیرِ طبع

صحافت

پندرہ روزہ سنی الجمیعۃ، دہلی (ایڈیٹر: یوسف تاتاری) ۱۹۵۷ء---کلرک و کالم نویس

ہفت روزہ پیغامبر، دہلی (ایڈٹر: ڈاکٹر بلونت سنگھ شرما) ۱۹۶۱ء---جوائنٹ ایڈیٹر

ماہنامہ بکواس (مزاحیہ)، دہلی (ناشر: ناظر سعید) ۱۹۶۲ء ---ایڈیٹر

ماہنامہ فلم پوسٹ، ہندی، دہلی (رنگ محل کاریالیہ) ۱۹۶۵ء---مینجنگ ایڈیٹر

ماہنامہ روبی فلم ڈائجسٹ، دہلی (ناشر: آرکے نیر) ۱۹۶۷ء---ایڈیٹر

ماہنامہ سنے پوسٹ، دہلی (ناشر: آرکے نیر) ۱۹۶۸ء---ایڈیٹر

ماہنامہ سنسنی جنسی ڈائجسٹ، دہلی (ناشر: ریجنٹ بک کمپنی) ۱۹۶۸ء---طابع، ناشر، ایڈیٹر

ماہنامہ فلمی دنیا، ہندی، دہلی (ناشر: نریندر کمار گپتا) ۱۹۶۹ء---شعبۂ ادارت و فلمی کالم نویس

ماہنامہ کتاب والا فلم میگزین، دہلی (ناشر: اظہر حسین راہی) ۱۹۷۷ء---ایڈیٹر

ماہنامہ گلفام، دہلی (ناشر: سلطان اختر) ۱۹۸۰ء---ایڈیٹر

پندرہ روزہ تیز گام، دہلی (ادبی، سیاسی جریدہ) ۱۹۸۱ء---طابع، ناشر، چیف ایڈیٹر

ماہنامہ قانونی دنیا، دہلی (پارٹنر: سلطان اختر) ۱۹۸۳ء---ایڈیٹر

ماہنامہ کمالستان، دہلی (ناشر: کنور غلام محمد) ۱۹۸۴ء---چیف ایڈیٹر

ماہنامہ ہندی اسلامی دنیا، دہلی (قرآن بندی سوسائٹی) ۱۹۸۶---طابع، ناشر، چیف ایڈیٹر

ہفت روزہ ہندوستانی اردو مورچہ، دہلی (مدیرِ اعلیٰ: علی صدیقی) ۱۹۸۸ء---ایڈیٹر

ہفت روزہ عالمِ اسلام، دہلی (فیچر سروس، ناشر: کنور مبارک علی خاں) ۱۹۹۶ء--چیف ایڈیٹر

زیرِ ادارت خصوصی شمارے

ہفت روزہ ہندوستانی اردو مورچہ --- اندرا نہرو نمبر، رحمۃ للعالمین نمبر، مولائے کائنات علیؑ نمبر، عالمی اردو کانفرنس نمبر

ماہنامہ روبی، فلم ڈائجسٹ---دلیپ نمبر، سائرہ بانو دلیپ کمار نمبر

ماہنامہ گلفام---ہیرو نمبر، ہیروئن نمبر، عظیم تر دلیپ نمبر

قصیدہ در مدح خود

بدل رہا ہے زمانے کا رنگ اور آہنگ
چھڑی ہے علم کی دنیا میں بھی وقار کی جنگ

بجائے دانش و حکمت سیاستوں کا عروج
وہ بد زبانی کہ ہے قافیہ زبان کا تنگ

کوئی کسی کا ہے شاگرد اور نہ ہے استاد
مچی ہے اہلِ سخن میں عجیب سی ہڑدنگ

ہنر فروش کھڑے ہیں ادب کی منڈی میں
کوئی ہے سیٹھ کے پیچھے، کچھ اقتدار کا انگ

اور اس خرابے میں مجھ سا کوئی ادیب نہیں
ہے کون، جو ہو مرے علم و فضل کا پاسنگ

مرے قلم سے ہراساں تمام اہلِ قلم
ہر ایک لفظ ہے میرا بجائے تیر و تفنگ

مرا خطاب کہ دریا ہے لفظ و معنی کا
روانی ایسی کہ بہہ جائے دفتر فرہنگ

میں اس دیار سے ہوں اس دیار تک موجود
کسی دیار میں مجھ سا نہیں ہے کوئی دبنگ

ہیں زیرِ پا مرے لاہور و لندن و نیویارک
بنی ہو جیسے ممالک کے درمیان سرنگ

میں ایک ساحرِ تنقید و تبصرہ بھی ہوں
ادب کی لومڑی بن جائے ایک پل میں نہنگ

مرے ہی نام سے قائم ہے کاروبارِ کتاب
ہے متنِ مدحتِ خود اور سرورق صد رنگ

کسی بھی بزم میں جب لب کشا ہوا ہوں میں
چھلک پڑی مرے ساغر سے بادۂ افرنگ

بس ایک شرط ہے جھنکار سیم و زر کی ہو
کسی بھی ساز سے ہو جاؤں گا میں ہم آہنگ

میں مافیا ہوں ادب کا مری رضا کے بغیر
کوئی سجائے جو محفل تو ڈالوں رنگ میں بھنگ

قلم تو کیا ہے تصور پہ بھی مرا پہرہ
جو مجھ سے باغی ہو دُنیا سے بھیج دوں بَیرنگ

سمجھ سکا نہ کوئی میرا رازِ درپردہ
بہادروں میں ہوں روباہ بزدلوں میں پلنگ

میں ارمغانِ عداوت شرافتوں کا نقیب
کہیں پہ لالہ و گل ہوں کہیں شرار و سنگ

ادب کی کشتی کا بس ایک ناخدا میں ہوں
ڈبو دوں خشکی پہ اٹھے جو میرے مَن میں ترنگ

میں اپنی ذات میں ہوں ایک انجمن کی مثال
بڑے جتن سے جمایا ہے اعتبار کا رنگ

غرض کی ڈفلی ہے اور اپنا راگ درباری
رباب عشق و محبت نہ پریم کی مردنگ

میں آسمانِ سخن پر سدا چمکتا رہوں
قلم اٹھاؤں تو رہ جائیں میرے دشمن دنگ

خدا کرے وہ سلامت رہیں قیامت تک
یہ ڈنکا بجتا رہے شہرِ دلّی سے تا جھنگ

کرم سے ان کے میں ذرّے سے آفتاب ہوا
وگرنہ رہتا یہ خود سر محض فقیر و ملنگ

انہی سے سیکھا ہے خود ساختیات کا یہ ہنر
عظیم ہیں مرے اُستاد گوپی چند نارنگ

عالمی اُردو کانفرنس

پندرہ روزہ تیز گام---سیاسی جرائم نمبر

ماہنامہ کمالستان--- امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نمبر

ریڈیو نشریات

آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس سے نشری تقاریر

موسیقارِ اعظم نوشاد، فلمساز، ہدایتکار محبوب، مووی مغل کے آصف، راج کپور، ہندوستانی فلموں میں قومی یکجہتی، ہندوستانی فلموں میں معذور و دیگر فلمی موضوعات پر متعدد پروگرام۔

ٹیلی کاسٹ

ایک ہاتھ دو قلم (ادبی پروگرام) دُوردرشن

ٹی وی سیریل

چناروں کے سائے (کہانی، منظرنامہ، مکالمے) پروڈیوسر، ڈائریکٹر: جناب امیر قزلباش (رِتو آرٹس)

آرگنائزر

مہتمم: آزادی کے بعد دہلی کا اولین کل ہند مشاعرۂ حمد و نعت (جامع مسجد سبزہ زار) ۲ مارچ ۱۹۸۲ء (زیر سرپرستی: آنجہانی سریش رام فرزند بابو جگجیون رام)

مہتمم: آل انڈیا ندا کرہ بموضوع قرآن حکیم اور مسلم پرسنل لاء (غالب اکیڈمی، نئی دھلی) ۲۰ جنوری ۱۹۸۶ء (زیرسرپرستی: جناب شمیم احمد صدیقی ایم پی مرحوم)

نائب مہتمم: اولین عالمی مشاعرہ (پرگتی میدان، نئی دہلی) ۶ جون ۱۹۸۶ء (زیرِ قیادت: جناب علی صدیقی، بانی و آرنائزنگ سکریٹری، عالمی اردو کانفرنس)

مہتمم: اکھل بھارتیہ قرآن سمیلن (سپرو ہاؤس، نئی دہلی) ۲۶، ۲۷ اپریل ۱۹۸۶ء (زیرِ سرپرستی: جناب ضیاء الرحمان انصاری مرحوم، مرکزی وزیر مملکت، ہند)

مہتمم: آل انڈیا قرآن کانفرنس (پیارے لال بھون، نئی دہلی) ۲۰ جولائی ۱۹۸۷ء (زیر سرپرستی: جناب علی صدیقی و عادل شہر یار مرحوم)

مہتمم: راشٹریہ قرآن سمیلن (صدر منزل و رویندر بھون، بھوپال) ۲۷– ۲۹ نومبر ۱۹۸۷ء (زیر سرپرستی: جناب ارجن سنگھ، سابق مرکزی وزیر، حکومت ہند)

نائب مہتمم: اولین عالمی اردو کانفرنس (پرگتی میدان، نئی دہلی) ۱۲-۱۳ فروری ۱۹۷۸ء (زیرِ قیادت: جناب علی صدیقی، بانی و آرگنائزنگ سکریٹری، عالمی اردو کانفرنس)

نائب مہتمم : دوسری عالمی اردو کانفرنس (پرگتی میدان، نئی دہلی) ۱۱، ۱۲، ۱۳/ فروری ۱۹۸۸ء (زیرِ قیادت: جناب علی صدیقی، بانی وآرگنائزنگ سکریٹری، عالمی اردو کانفرنس)

مہتمم: انڈوپاک مشاعرہ (فکی آڈیٹوریم، نئی دہلی) ۲۱/ مارچ ۱۹۸۸ء (زیر اہتمام: آل انڈیا انجمن ترقیٔ ادب)

مہتمم : مریادا پرشوتم شری رام سمیلن (ہماچل بھون، نئی دہلی) ۱۰/دسمبر ۱۹۹۰ء (زیرسرپرستی: جناب علی صدیقی)

نائب مہتمم: کل ہند مشاعرہ، جشن علامہ نیاز فتحپوری (لالہ بازار، فتحپور، یوپی) ۱۳/مئی ۱۹۹۱ء (زیر قیادت: جناب علی صدیقی)

مہتمم: سرودھرم شانتی سمیلن (فکی آڈیٹوریم، نئی دہلی) ۱۸/ دسمبر ۱۹۹۴ء (انڈین سیکیولر سوسائٹی)

مہتمم: آل انڈیا سیرت النبیؐ کانفرنس (فکی آڈیٹوریم نئی دہلی) ۳۰ دسمبر ۱۹۹۵ء (زیر سرپرستی: جناب علی صدیقی)

مہتمم: آل انڈیا روحانی سمینار بہ موضوع تعلیمات گرونانک وبابا فریدؒ (ایوانِ غالب، نئی دہلی) ٤/ دسمبر ۱۹۹٦ء (قرآن ہندی سوسائٹی، انجمن آوازِ انسانیت)

نائب مہتمم: عالمی رحمۃ للعالمین کانفرنسیں، عالمی جشنِ مولود کعبہ، آل انڈیا اردو مورچہ کنونشن، جشنِ کیف بھوپالی، جشنِ پروانہ رودولوی، فراق صدی تقریبات نیز دیگر متعدد ادبی و تہذیبی اجتماعات، سیمنار اور مشاعرے زیر اہتمام عالمی اردو کانفرنس، نئی دہلی، حیدر آباد، زیر قیادت: جناب علی صدیقی (۱۹۸٦ء تا ۱۹۹۷ء)

مخمور سعیدی

خوش آمدید

غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا گیا ہے لیکن نام نہاد شعرا کے ہاتھوں سب سے زیادہ بے آبروئی بھی اسی صنف شاعری کی ہوئی ہے۔ پیشرو شاعروں کے برتے ہوئے موضوعات و مضامین کا روایتی زبان میں بار بار اعادہ اکثر غزل گو شعرا کا شعار رہا ہے۔ ذاتی مشاہدے اور نجی تجربے کی کوئی جھلک ان کے ہاں مشکل ہی سے دیکھنے کو ملے گی جبکہ سچی شاعری شاعر کی شخصی واردات کے اظہار ہی کا نام ہے۔

فاروق ارگلی کی اولین وابستگی صحافت کے ساتھ رہی ہے۔ ایک صحافی کو اپنے گرد و پیش کی زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کے جو مواقع ملتے ہیں وہ اس کی نظر کو باریک بیں بھی بنا دیتے ہیں اور پردہ کشا بھی۔ باریک بینی اور پردہ کشائی کا یہ عمل ان کی شاعری میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کا کلام پڑھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے عصری زندگی کو خوب اچھی طرح جانا پہچانا ہے اور اس جان پہچان کے نتیجے میں جو کچھ ان پر بیتی ہے اسی کو انہوں نے اپنا موضوع سخن بنایا ہے، رسمی اور روایتی مضامین کی پیش کش سے انہوں نے کوئی سروکار نہیں رکھا ہے اور میرے نزدیک یہ وہ خوبی ہے جو ان کی غزلوں کی قدر و قیمت کی سب سے بڑی ضامن ہے۔

فاروق ارگلی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کی پیش رو نسل کچھ اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو اپنی حیاتِ مستعار کا عزیز ترین سرمایہ سمجھتی تھی۔ وہ اپنے فکر و عمل سے ان قدروں کی محافظ بھی تھی اور ان کی مطیع بھی۔ فاروق ارگلی کے بزرگوں نے بھی انہیں ان قدروں کا احترام کرنا سکھایا ہوگا لیکن جب اپنے دیہی ماحول سے نکل کر وہ دِلّی جیسے بڑے شہر میں آئے ہوں گے تو انہوں نے دیکھا ہوگا کہ معاشی برتری کی بھاگ دوڑ میں یہاں کی کھلی سڑکوں پر یہ قدریں اور ان سے وابستہ اعتبار و احترام کے تمام تصورات بیکار ملبوں کی طرح قدموں تلے روندے جا رہے ہیں اور اپنے اس قیمتی اثاثے کی پامالی پر نہ کوئی متاسف ہے نہ

ملول۔ اس صورت حال پر فاروقؔ ارگلی کے اکثر اشعار میں ایک خندۂ استہزا کی کیفیت نظر آتی ہے جو ان کے اندرونی دُکھ کی گواہی دیتی ہے۔ ان کا یہ دُکھ شاید اس لئے دوچند ہو گیا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہیں بلکہ اس کا حصہ بنے رہنے پر بھی مجبور ہیں۔ ویسے یہ دُکھ اور یہ بے بسی تنہا ان کا مقدر نہیں، ان کے اکثر معاصرین اس بلائے بے درماں میں مبتلا ہیں۔ یہاں خود مجھے اپنی ایک پرانی نظم ''زندانی'' یاد آتی ہے جس کا آخری بند اس طرح ہے:

دورِ رفتہ کا یہ خمیازۂ ناحق کب تک
جام امروز مجھے کیوں نہیں پینے دیتے؟
اپنے وقتوں کے خوش انفاس و خوش انجام یہ لوگ
میرے وقتوں میں مجھے کیوں نہیں جینے دیتے؟

میرے وقتوں میں جینے کے جو تقاضے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا ان لوگوں کے لئے خاصا مشکل ہے جو گئے وقتوں سے تھوڑی بہت شناسائی بھی رکھتے ہیں۔

کڑوا کسیلا طنز، جس میں بے بسی کا احساس شامل ہو کر اکثر اسے زہرناک خندۂ استہزا میں تبدیل کر دیتا ہے، فاروقؔ ارگلی کے قلم کی نمایاں خصوصیت ہے۔ علم و ادب، تہذیب و ثقافت، مذہب و سیاست، مہر و محبت جب سبھی چیزیں جنسِ تجارت بنالی جائیں اور اس تجارت میں کامیابی ہی زندگی کی کامیابی قرار پائے تو غیر تاجرانہ کردار رکھنے والے لوگ کہاں جائیں اور کیا کریں؟ کیا ان کا مقدر اندر ہی اندر کڑھتے رہنا یا پھر اپنی ہنسی آپ اڑاتے رہنا ہے؟ ایسے لوگ اگر خدا نے انہیں قوت اظہار دی ہے تو ایک کام ضرور کر سکتے ہیں، اس عیاری اور مکاری کا پول کھولنے کی اپنی سی کوشش، جس کے پردے میں یہ غیر اخلاقی اور غیر انسانی کاروبار چل رہا ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے عہد کا ایک واقعہ میں نے حال ہی میں کہیں پڑھا ہے۔ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں بہت گنہگار ہوں۔ شراب نوشی، زناکاری، چوری اور دروغ گوئی جیسی برائیوں میں مبتلا ہوں۔ مجھے ان برائیوں سے نجات کی کوئی سبیل بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا تو جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اللہ نے چاہا تو باقی بری عادتیں خود بخود چھوٹ جائیں گی۔ کیسا حکیمانہ نکتہ آپ کے اس مبارک قول میں مضمر ہے۔ بدکار کو اپنی بدکاری کا ادراک ہوتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی بدکاری لوگوں پر

ظاہرہ ہوئی تو اس کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لئے وہ اپنی بدکاریوں پر جھوٹ کے پردے ڈالتا رہتا ہے، یہ پردے ہٹا دیئے جائیں تو دوسروں کے سامنے ذلت و رسوائی کا فطری خوف اسے بدکاری سے باز رکھے گا۔

سوویت روس کے باغی مصنف سولژے نتسن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جھوٹ کی سرکوبی اور سچ کی مدافعت کے لئے اب پیغمبر تو آئیں گے نہیں، ہمارے عہد میں یہ ذمہ داری ادیب اور شاعر پر عاید ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ بولنے کے خلاف اور سچ کے حق میں لوگوں کے ضمیر کو جگائے اور اس طرح ایک ایماندار معاشرے کی تشکیل میں معاون ہو۔

فاروق ارگلی کی غزلیں پڑھ کر میرا تاثر یہ ہے کہ اپنی بساط بھر انہوں نے اس ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ نثر تو وہ مدتوں سے لکھ رہے ہیں، صحافتی اور سیاسی مضامین، ناول اور افسانے، لیکن ان کی نثری تحریریں ان کی اس کوشش و کاوش کا حصہ ہیں جو انہیں دلّی جیسے بڑے شہر میں جسم و جاں کا رشتہ قائم رکھنے کے لئے کرنی پڑی ہیں۔ یہاں کے آجر معمولی سی اُجرت کے عوض مزدور کا (چاہے وہ کدال کا مزدور ہو یا قلم کا) جو استحصال کرتے ہیں، فاروق ارگلی بھی اس کا شکار رہے ہیں اور آجرین نے جو لکھوانا چاہا ہے وہ انہوں نے انہیں لکھ کر دیا ہے، لیکن اب ان کی ایک اور مخفی صلاحیت جاگی ہے اور وہ شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے ہیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنی صلاحیت کو انہوں نے اپنے دور کے استحصالی ہتھکنڈوں سے بچالیا ہے۔ ان کے کلام سے ان کی کہنہ مشقی ظاہر ہوتی ہے لیکن یہ ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے جو منظر عام پر آرہا ہے۔ اس وقیع مجموعۂ غزل کے ساتھ عصری شاعری کی محفل میں ان کی آمد پر میں انہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔

مخمور سعیدی
اردو اکادمی، دلّی

۲۴/ جولائی ۱۹۹۷ء

اعتراف

شعری ادب سے پڑھنے اور سننے کی حد تک دیرینہ شناسائی ہے، گاہے بگاہے کچھ کہہ بھی لیا کرتا تھا مگر ایک آدھ بار کو چھوڑ کر اپنا کلام چھپوانے اور خود کو شاعر کہلوانے کی ہمت نہ پڑی۔ جہاں تک مشاعروں وغیرہ میں شرکت کا سوال ہے، اس لیے حوصلہ ہو جاتا ہے کہ وہاں مجھ سے بھی گئے گذروں کی واہ واہ ہو ہی جاتی ہے۔

یہاں یہ اعتراف ضروری سمجھتا ہوں کہ نکاتِ فن اور رموزِ شعر و سخن سے ہنوز ناواقف ہوتے ہوئے صرف اپنے مشاہدات و محسوسات کے اظہار کے لیے یہ دُشوار گذار راستہ چُنا ہے اور حتی الامکان سچ بولنے کی کوشش کی ہے، صرف اس اساس کے ساتھ کہ ؎

یہ زمانہ مرا مکتب ہے، زمیں میری کتاب
جو پڑھا تھا وہ سنایا، جو ہے معلوم، لکھا

عالمی اردو کانفرنس کے بانی مجاہدِ اُردو جناب علی صدیقی کی اس ہمچمداں سے انتہائی محبت و شفقت اور کچھ دوستوں کے اصرار کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ "عبارت سرِ دیوار" آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس مختصر مجموعے میں تمام خامیوں اور کم دانیوں کے باوجود دو مصرعے بھی آپ کو پسند آگئے تو سمجھوں گا لاکھوں پائے۔

فاروق ارگلی

۲۸ر اگست ۱۹۹۷ء

وقت کی آنکھ سے ٹپکے ہے شرارت کیسی
سرِ دیوار لکھی ہے یہ عبارت کیسی

عبارت سرِ دیوار

مجموعۂ کلام

فاروق ارگلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

جو کر سکے تری توصیف وہ زباں دے دے
خیالِ عجز کو نطقِ گہر فشاں دے دے

شعارِ دوستاں غیبت ، نفاق، بدخواہی
مجھے بلندیِ اخلاقِ دشمناں دے دے

گُلوں سے عشق ہو کانٹوں سے بھی تعلق ہو
دل و نگاہ کو تہذیبِ گلستاں دے دے

نزاعِ دیر و حرم سے نجات ہو حاصل
جگہ کوئی مجھے دونوں کے درمیاں دے دے

ورق ورق میں ہوں شعلے سطر سطر شبنم
مرے فسانے کو موضوعِ دلبراں دے دے

نعت

ہر ایک سمت اندھیرا رہِ حیات میں ہے
اِک آفتاب بھی روشن سیاہ رات میں

ہوئی ہے اس طرح تفسیر شاہد و مشہود
خدا کے بعد وہی ساری کائنات میں ہے

طبیب ایسا، تصوّر سے ہو شفا یابی
دوائے دردِ جہاں جسکی بات بات میں ہے

علومِ دنیا ادھورے، نگارشیں بے رنگ
ضیائے علمِ حقیقت بس اسکی ذات میں ہے

جو اس نے راہ دکھائی تھی ہم بُھلا بیٹھے
اسی لئے تو زمانہ ہماری گھات میں ہے

نعت

لقب، غلامِ شہِ انبیاء عطا ہو مجھے
فقط نبیؐ کی شفاعت کا آسرا ہو مجھے

تمام دولتِ دنیا ہے میری ٹھوکر میں
درِ نبیؐ کا گدا ہوں، سمجھتے کیا ہو مجھے

میں سوچ سوچ کے ہی جھوم جھوم جاتا ہوں
مدینہ دیکھ لوں سچ مچ تو جانے کیا ہو مجھے

کوئی دوا نہیں لگتی مریض ہجراں ہوں
ملے جو خاکِ مدینہ تبھی شفا ہو مجھے

میں نعت لکھنے کو بیٹھا تو یوں لگا، جیسے
خدا نے شاعری کرنا سکھا دیا ہو مجھے

منقبت

دستِ کرم اُٹھایئے، مشکل کشا علیؓ
بگڑی مری بنایئے، مشکل کشا علیؓ

باطل کے شعلے خرمنِ ایماں تک آگئے
اس آگ کو بجھایئے، مشکل کشا علیؓ

نورِ محمدیؐ کی ضیا، آپ ہی کی ذات
یہ ظلمتیں مٹایئے، مشکل کشا علیؓ

جس نے پکارا آپ کو اس کو مدد ملی
میری مدد کو آیئے، مشکل کشا علیؓ

دل میں خدا کا خوف رہے، پنجتن کا عشق
وہ راستہ سجھایئے، مشکل کشا علیؓ

سلام

حسینؓ روحِ رسالتؐ، حسینؓ نورِ خدا
حسینؓ شانِ امامت، حسینؓ قبلہ نما

حسینؓ عزمِ مصمم، حسینؓ اوجِ کمال
حسین شمع ولایت، حسینؓ صدق و صفا

حسینؓ پرچمِ وحدت، حسین عظمت دیں
حسینؓ فخرِ شہادت، حسینؓ درسِ وفا

حسینؓ علم مجسّم، حسینؓ نازشِ فن
حسینؓ حسنِ عبادت، حسینؓ طرزِ دعا

حسینؓ راہِ طریقت، حسینؓ فخرِ اُمم
حسینؓ رمزِ حقیقت، حسینؓ دستِ شفا

☆

زوالِ آدمِ خاکی کہاں کا قصّہ ہے
فقط درازیِ کارِ جہاں کا قصّہ ہے

حصولِ مالِ غنیمت کی داستانِ طرب
دراصل وادیِ آہ و فغاں کا قصّہ ہے

سیاہ رات تھی نیزہ بکف کماں بر دوش
طلوعِ صبح لٹے کارواں کا قصّہ ہے

رہینِ ذوقِ نمائش ہے خامہ فرسائی
سخن طرازی تو دردِ نہاں کا قصّہ ہے

غنیمِ حرص و ہوس ہمکنارِ فتح و ظفر
ضرور یہ مرے ہندوستاں کا قصّہ ہے

☆

آزادیٔ خیال سرِ انجمن کہاں
احساسِ حق بیانیِ شعر و سخن کہاں

شیرینیِ روایتِ اسلاف بے مزہ
آسودگیِ لذتِ کام و دہن کہاں

علم و ہنر نمائشِ تمثیلِ رفتگاں
سوزِ دروں نہیں ہے تو اظہارِ فن کہاں

قانون جرم اور سزا زیب داستاں
خمیازۂ گناہ میں دار و رسن کہاں

اللہ اور رام بنائے مخاصمت؟
شیخِ حرم گرا ہے کہاں، برہمن کہاں

غمخواریِ عوام فقط تکیۂ کلام
اس عہدِ بے ضمیر میں حبِّ وطن کہاں

☆

خبر یہ تھی کہ فریبِ نظر کا موسم ہے
یہاں تو معرکۂ خیر و شر کا موسم ہے

بنا رہا ہوں خود اپنے لہو سے نقش و نگار
کہ یہ نمائشِ دیوار و در کا موسم ہے

یہ زرد زرد سے چہروں پہ لکھ دیا کس نے
ہمارے شہر میں بارانِ زر کا موسم ہے

خزاں رسیدہ ہوئی فکر و فن کی زرخیزی
یہ خشک سالیِ علم و ہنر کا موسم ہے

گزر ہی جاؤں گا کرب و بلا کے صحرا سے
اگرچہ سخت ہے لیکن سفر کا موسم ہے

☆

عبارتیں نہ پڑھو صرف سرخیاں دیکھو
ورق ورق پہ لکھی ہیں تباہیاں دیکھو

جو لکھ سکو تو فقط مدحِ قاتلاں لکھنا
دکھائی دے تو بلندی میں پستیاں دیکھو

بجی ہے آج کہیں بنسری سیاست کی
جلیں گی اور ابھی کتنی بستیاں دیکھو

ابھی زمانے میں اہلِ جنوں سلامت ہیں
کھلے ہیں پھول بھی کانٹوں کے درمیاں دیکھو

سمجھ نہ پائے تھے فاروقؔ سازشِ صیاد
جلا کے رکھ دیا اپنا ہی آشیاں دیکھو

☆

ذکرِ مجاز فکرِ حقیقت کے ساتھ ساتھ
تشکیک چل رہی ہے عقیدت کے ساتھ ساتھ

تنہا چلے تھے پا گئے منزل کا وہ سراغ
اور ہم بھٹک رہے ہیں جمعت کے ساتھ ساتھ

ہارا ہوا سپاہی شجاعت میں کم نہ تھا
قسمت بھی چاہیئے تھی عزیمت کے ساتھ ساتھ

اہلِ ہنر جب آ گئے بازارِ رزق میں
غیرت بھی بیچ ڈالی حمیّت کے ساتھ ساتھ

ہر دم لبوں پہ اس کے ہے ذکرِ حسینیت
لیکن یزید وقت سے بیعت کے ساتھ ساتھ

جملہ حقوق اشاعت محفوظ

کتاب	:	عبارت سر دیوار (شاعری)
شاعر	:	فاروق ارگلی
ناشر	:	عالمی اردو کانفرنس
کمپیوٹرائزڈ ٹائپ سیٹنگ	:	ایم۔ حمران اعظمی
طباعت	:	پرنٹ آرٹس، نئی دہلی
سنہ اشاعت	:	۱۹۹۷ء
قیمت	:	-/100روپے

EBARAT SAR-E-DIWAR *(Poetry)*
By Farooq Argali

Published by
KABEER SIDDIQUI
(Organising Secretary)
Aalami Urdu Confernece
164, Rouse Avenue, New Delhi-110002
Ph. 3231240, 3234954, 3234955 Fax: (91-11) 3231777

ناشر
عالمی اُردو کانفرنس
۱۶۴، راؤز ایوی نیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

☆

خموشیوں کی اگر وہ زباں سمجھ لیتا
تو اپنے بارے میں میرا بیاں سمجھ لیتا

نگاہ ہوتی تو وہ دل میں جھانک سکتا تھا
لگاؤ ہوتا تو دردِ نہاں سمجھ لیتا

حیات ایک تماشا تھی، میں تماشائی
تو اِک تماشے کو کیا امتحاں سمجھ لیتا

بس اِک نگاہ میں مجھ کو خرید سکتا تھا
اگر وہ قیمتِ جنسِ گراں سمجھ لیتا

اجاڑ دیتا وہ خود اپنے ہاتھ سے گلشن
حدیثِ گل کو اگر باغباں سمجھ لیتا

کبھی اٹھاتا نہ دستِ طلب تری جانب
زمیں یہ رہ کے تجھے آسماں سمجھ لیتا

☆

بزمِ دوراں میں یہ موضوعِ سخن ہونے لگا
آج پھر تذکرۂ دار و رسن ہونے لگا

شاید اس بار خزاں آئے تو کچھ پھول کھلیں
ان بہاروں سے تو تاراج چمن ہونے لگا

آگ بونے سے تو شعلے ہی اگا کرتے ہیں
آج کیوں ماتمِ اقدارِ کہن ہونے لگا

کوئی اوتار ہی آئے تو بچا سکتا ہے
اب روایات کا بھی چیر ہرن ہونے لگا

فکر اِک ساغرِ بے بادہ ہوئی جاتی ہے
روح سے خالی خیالوں کا بدن ہونے لگا

اب اندھیرے ہی اُجالوں کے محافظ ہوں گے
یہ چراغاں تو اُجالوں کا کفن ہونے لگا

بنام حرفِ صداقت سخنوری کرنا
شکم پُری کے لئے میر جعفری کرنا

غمِ حیات سے ڈر جانا بزدلوں کی طرح
پھر اپنی ذات سے اظہارِ برتری کرنا

ہمارے عہد نے ہم کو دیا ہے یہ منصب
خود اپنے قتل میں قاتل کی رہبری کرنا

بڑا ہے وہ تو پھر اپنی بڑائی بھی رکھے
کہ چھوٹا سیکھ نہ جائے برابری کرنا

غبارِ راہ کو صاحب، یہ فن بھی آتا ہے
ہوا میں اڑنا، ستاروں کی ہمسری کرنا

غلام ہو کے بھی وہ بادشاہ ہوتا ہے
لکھا ہو جس کے مقدر میں قنبرؑی کرنا

ؑ خادمِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت قنبرؓ سے مراد ہے۔

☆

جو بھی اقدارِ محبت کا نگہبان رہا
وہ صنم خانے میں بھی صاحبِ ایمان رہا

صرف باقی ہیں زمانے میں امیر اور غریب
نہ کوئی ہندو رہا اور نہ مسلمان رہا

ایسی آزادی کہ ہر شخص ضرورت کا غلام
کتنے گھاٹے میں نئے دور کا انسان رہا

فطرتِ عشق ہے غم ایک سے ہیں ہجر و وصال
حسن راضی تھا مگر عشق پریشان رہا

میں بھی صادق نہ تھا اور وہ بھی وفادار نہ تھا
میں بھی شرمندہ رہا، وہ بھی پشیمان رہا

☆

شکستگی کو دکھاوے کی آن بان میں رکھ
متاعِ درد و الم صبر کے مچان میں رکھ

دل ایک شیشۂ نازک ہے آرزو پتھر
ذرا تو فاصلہ دونوں کے درمیان میں رکھ

جو منزلوں کی طلب ہے مسافرت مت روک
زمیں ہے تنگ تو پھر پاؤں آسمان میں رکھ

وہ زندگی ہے تو زد میں ضرور آئے گی
سخن کا تیر ابھی فکر کی کمان میں رکھ

یہ انتہا بھی کہیں ابتدا نہ ہو فاروقؔ
یقینِ ذات کو اندیشۂ گمان میں رکھ

☆

کیا تھا عشق تو پھر سنگسار ہونا تھا
اور ایک بار نہیں بار بار ہونا تھا

جو حیلہ گر تھا ستمگر تھا دشمن جاں بھی
متاعِ دل کو اسی پر نثار ہونا تھا

محبتوں کا قرینہ بھلادیا جب سے
رفاقتوں کو بھی اِک کاروبار ہونا تھا

جب اپنے ہاتھ کی تلوار بخش دی اس کو
پھر اسکے ہاتھ سے گردن پہ وار ہونا تھا

میں جانتا تھا، محبّت نہیں سیاست ہے
میں چپ رہا کہ مجھے یوں بھی خوار ہونا تھا

☆

میرا قاتل صاحب کردار ہے
اس لئے مقتل مرا گھر بار ہے

اُڑ رہا ہے تھام کر بیساکھیاں
کٹ چکے ہیں پاؤں تو پردار ہے

رہزنی میں جس کو حاصل ہے کمال
رہنما بننے کا وہ حقدار ہے

تو اگر ظالم ہے میں بھی کم نہیں
دیکھ لے، یہ صبر کی تلوار ہے

مفلسینِ شہر کچھ خیرات دیں
شہر کا حاکم بہت نادار ہے

☆

تنگ آ کے وہ تو بھول گیا حیلہ سازیاں
فرصت کہاں مجھے کہ کروں دل نوازیاں

بھاگا ہے عشق گھر سے تلاشِ معاش میں
بھوکا ہے حسن بھوک میں عشوہ طرازیاں

بہتے رہے جلو میں مرے دجلہ و فرات
تشنہ لبی میں دیکھیں تری کارسازیاں

پیتے رہے ہیں جرمِ محبت میں زہرِ ضبط
ہارے ہیں جان بوجھ کے ہم کتنی بازیاں

صدیوں سے اپنے خوں میں نہاتا رہا جنوں
اہلِ خرد کو ملتی رہیں سرفرازیاں

☆

عشق کر اور باہنر ہو جا
خونِ دل کر لے اور امر ہو جا

اب روایات پر تبرّا پڑھ
اونچے لوگوں میں معتبر ہو جا

چڑھتے سورج کو ہی سلامی دے
تازہ اخبار کی خبر ہو جا

ایک ہی درد دونوں جانب ہے
تو ادھر ہو جا یا ادھر ہو جا

عارضی ہے یہ سایۂ دیوار
دھوپ میں عازمِ سفر ہو جا

جی سکے گا تو بے وفا ہو کر
تھوڑا مشکل تو ہے، مگر ہو جا

جب نہیں ہے کوئی مسیحا تو
کیوں نہ خود اپنا چارہ گر ہو جا

☆

تعلق میں وہ دلداری نہیں ہے
محبت ہے وفاداری نہیں ہے

میں اس کے ڈر سے کب تک چپ رہوں گا
مری غیرت تو سرکاری نہیں ہے

مٹا وہ، جس میں غیرت تھی، اَنا تھی
بچا وہ، جس میں خودداری نہیں ہے

وہ دولت کے عوض ملتی بھی کیسے
شرافت، ساگ ترکاری نہیں ہے

میں حالِ دل کسی کو کیا سناؤں
غزل ہے راگ درباری نہیں ہے

انتساب

دُنیا بھر کے اُن محبّانِ اردو کے نام

جو اُردو کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں

اور مفادات کے لئے اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتے

فاروق ارگلی

☆

تماشہ گاہِ خجالت سے دو قدم آگے
کھڑا ہوں اس کی عدالت سے دو قدم آگے

یہاں سے سرحدِ الزام ختم ہوتی ہے
دلیل ہے کہ دلالت سے دو قدم آگے

بہت حسین تھا احساسِ تنگیٔ داماں
بڑھا نہ وہ بھی کفالت سے دو قدم آگے

خیال مردہ ہوا اور فکر نابینا
ہوا ہے علم جہالت سے دو قدم آگے

کہاں رُکے گا تغیر کا کارواں آخر
ابھی ہے شہر ضلالت سے دو قدم آگے

شکستہ پا تھی تمنا مگر پہنچ تو گئی
وہ لامکاں کی طوالت سے دو قدم آگے

☆

گھرا تھا اپنوں میں پھر فکرِ غیر کیا رکھتا
سبھی تھے نیک تو امیّدِ خیر کیا رکھتا

منافقوں کی جماعت کا راہزن تھا امام
خدائے وقت کی مسجد میں پیر کیا رکھتا

وہ سنگِ راہ تھے لیکن نشانِ منزل تھے
جو پیچھے چھوٹ گئے ان سے بیر کیا رکھتا

ہزار رنگ بھی یکساں مری نگاہ میں ہیں
میں ذوقِ کعبہ کلیسا و دیر کیا رکھتا

☆

اپنی خواہش کو نمایاں نہیں ہونے دیتا
اس کی رسوائی کا ساماں نہیں ہونے دیتا

تیرا غم تجھ سے گریزاں نہیں ہونے دیتا
میرے گھر کو کبھی ویراں نہیں ہونے دیتا

ضد پہ آجائے اگر دل، تو یہی دشمنِ جاں
آدمی کو کبھی انساں نہیں ہونے دیتا

بے لباسی ہے یہاں شرطِ محبت کب سے
ظرف ہے میرا جو عریاں نہیں ہونے دیتا

حرمتِ عشق تھی ملحوظ و گرنہ فاروقؔ
بہتے دریا کو بیاباں نہیں ہونے دیتا

☆

اک کارگاہِ سود وزیاں جانتے ہو کیا
بُنتے ہیں لوگ خواب جہاں جانتے ہو کیا

کس واسطے ہے لذّتِ آزار کی طلب
کیف و سرورِ دردِ نہاں جانتے ہو کیا

وجہِ حیات قُرب، مگر زہر جس کا لمس
میں کر رہا ہوں کس کا بیاں جانتے ہو کیا

پھیلا ہے میرے شہر میں پستہ قدی کا روگ
بستے ہیں اونچے لوگ یہاں جانتے ہو کیا

سیکھا تھا جس نے ہم سے کبھی طرزِ گفتگو
اب وہ بھی کہہ رہا ہے میاں، جانتے ہو کیا

ہم نے بھی لوحِ وقت پہ چھوڑے ہیں نقشِ پا
مٹتے نہیں ہیں ایسے نشاں جانتے ہو کیا

☆

ہم نے ایسے بھی لوگ دیکھے ہیں
مسکراتے ہوئے جو ڈرتے ہیں

بھوکے رہ کر بھی زندہ رہتے ہیں
خوب کھا کر بھی لوگ مرتے ہیں

جن کو چڑھنے میں ایک عمر لگی
ایک لمحے میں نیچے گرتے ہیں

ہم خزاں اور بہار کیا جانیں
ہم تو گملوں میں رکھے پودے ہیں

جن کے لب پر ہو دوستی کا نام
آستینوں میں سانپ رکھتے ہیں

☆

ذلیل و خوار ہے عالم یہ اس کی قسمت ہے
امیرِ شہر ہے جاہل خدا کی قدرت ہے

مرے لہو سے ہوئی کائنات لالہ زار
چمن میں رنگِ بہاراں مری بدولت ہے

نئی نئی سی زباں ہے، نئی نئی سی لغت
شریف لفظ کا مفہوم، اہلِ دولت ہے

ترا ڈسا ہوا پانی بھی مانگ لے تو بہت
میں تیرے نام سے واقف ہوں تو محبّت ہے

وہ جس کے ڈسے لرزتی ہے میری جاں فاروقؔ
اسی کی خیر منانا مری ضرورت ہے

☆

ان کا کہنا ہے کہ مقتول پہ رویا جائے
اور قاتل کو سزا سے بھی بچایا جائے

اک زمانے سے ہیں پابستۂ زنجیرِ وفا
ہم سے یہ بارِ گراں اب نہ اٹھایا جائے

قافلہ ایک ہے اور قافلہ سالار بہت
قافلے والوں کو لٹنے سے بچایا جائے

ہم بھی مر جائیں گے تم بھی نہ رہو گے اِک دن
کیوں نہ پھر مل کے کوئی جشن منایا جائے

ان کی سنسد میں یہ بل پاس ہوا ہے فاروقؔ
جو بھی سچ بولے، وہ سولی پہ چڑھایا جائے

☆

آگ برسانے لگیں پروائیاں
ایسا موسم اور چمن آرائیاں؟

پیاسی آنکھیں زرد چہرے خشک لب
حسن میں باقی نہیں رعنائیاں

"شعلۂ شمعِ سخن خاموش ہے"
رہ گئیں الفاظ کی پرچھائیاں

نام بھی اس کا نہیں ہے یاد اب
جس سے روشن تھیں کبھی تنہائیاں

چشمِ بینا سے بصارت چھن گئی
ہو گئیں دریوزہ گر دانائیاں

ذکر بھی بارِ سماعت ہے ترا
سُن چکے اتنی تری اچھّائیاں

☆

دل کی بستی سے وہ بنجارا گیا
اُڑ کے جیسے برگِ آوارہ گیا

ساتھ تھا اس کا تو دنیا ساتھ تھی
وہ گیا تو جیسے جگ سارا گیا

وہ جگہ گلزارِ جنت بن گئی
جس جگہ تک خون کا دھارا گیا

وہ خدا کے نام پر قاتل بنا
میں خدا کے نام پر مارا گیا

چل بسا فاروقؔ تو سب نے کہا
اِک تہی داماں و بے چارا گیا

☆

جب یہ سنا کہ قیمتِ کردار گر گئی
یوں لڑکھڑائے پاؤں کہ دستار گر گئی

سائے میں جس کے مُدّتوں ملتی رہی پناہ
اِمسال بارشوں میں وہ دیوار گر گئی

اس طرح آج اس کی نگاہوں سے گر گیا
جیسے کسی وزیر کی سرکار گر گئی

جب میں نے اس کے سامنے سر کو جھکا دیا
جانے کیوں اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی

فاروقؔ تیری آہ نہیں ایک برق ہے
سب خاک ہو رہے گا جو اِک بار گر گئی

بنا رہا ہوں خود اپنے لہو سے نقش و نگار
کہ یہ نمائشِ دیوار و دَر کا موسم ہے

☆

تراشے تھے خرد کی بندگی نے
وہ بت توڑے جنوں کی آذری نے

خیالِ خاطرِ ہمدم سے چپ تھا
اور اُس نے توڑ ڈالے آبگینے

تعلّق کو پرستش کہہ رہا تھا
مجھے کافر بتایا آگہی نے

جوابِ دُشمناں باشد خموشی
یہ نکتہ مجھ کو سمجھایا اُسی نے

شرافت میں تو ہم بھی کم نہیں تھے
کمینہ کردیا زر کی کمی نے

اگر بازو سلامت ہیں تو تیرو
کہ بس اب ڈوبنے کو ہیں سفینے

☆

جب مقدّر مہرباں ہو جائے گا
یہ جہنم گلستاں ہو جائے گا

بول اُٹھّیں گی اگر خاموشیاں
حرف تیغِ بے اماں ہو جائے گا

یوں لگا، جب روشنی بڑھنے لگی
جیسے ہر منظر دھواں ہو جائے گا

خونِ ناحق چھپ سکے گا کب تلک
ایک دن سب پر عیاں ہو جائے گا

کیا خبر تھی صرف اِک لفظِ وفا
زندگی بھر کا زیاں ہو جائے گا

کیا ہوا گر وقت ہے نامہرباں
ہو گا کیا، جب مہرباں ہو جائے گا

☆

کوئی ناکامی میں ہاتھوں کو مسل کر مر گیا
سیم و زر کے ڈھیر میں کوئی کچل کر مر گیا

عشق کی وادی میں اک شعلہ بجاں آتش نفس
پھول سے زخمی ہوا شبنم سے جل کر مر گیا

دولت و ثروت کا مالک تھا، مسیحا بھی غلام
مَوت کے نرغے سے نکلا اور نکل کر مر گیا

راکھ بن کر اڑ رہی ہے آسماں پر چاندنی
شاید اک سیارہ تاریکی میں پل کر مر گیا

جو مرے مسکن کی پستی کا اڑاتا تھا مذاق
اپنی اونچی چھت سے وہ اک دن پھسل کر مر گیا

☆

جو دل کو درد نہ بخشے وہ آشنائی کیا
جلا کے راکھ نہ کردے وہ دلربائی کیا

صدائے آہ و فغاں ہو، وہ طرزِ غم کیا ہے
جو عرش کو نہ ہلا دے وہ بے نوائی کیا

گناہ کیا ہے وہ جس میں کہ کارِ خیر نہ ہو
شراب جس میں نہ مہکے وہ پارسائی کیا

سلگ اٹھیں جو نہ الفاظ وہ قلم کیسا
جگر کا خوں نہ ہو جس میں وہ روشنائی کیا

نہ کوئی طائفہ جس کا نہ ہم نوا کوئی
وہ تنہا رہ کے کرے گا غزل سرائی کیا

☆

شباہتوں میں تو وہ ٹھیک میرا جیسا تھا
مگر وہ بولا تو لہجے میں خدا جیسا تھا

کوئی سمجھتا بھی کیسے سیاستِ جاناں
تمام طرزِ عمل اس کا وفا جیسا تھا

گئے تھے ہم بھی کبھی زندگی کی محفل میں
خوشی کے نغموں کا آہنگ قضا جیسا تھا

جگر کا خون بہاتے رہے بنام جنوں
یہ کارِ خیر بھی منہ مانگی سزا جیسا تھا

بس ایک "ہاں" میں تباہی مرا مقدر تھی
حرفِ انکار تو دراصل دُعا جیسا تھا

☆

ذرّہ ہوں آفتاب کا ہمسر نہیں ہوں میں
کیا اس کی روشنی سے منوّر نہیں ہوں میں

ٹکرا کے لوٹ جائے نہ کیوں یورشِ الم
پتھر ہوں ساحلوں کا سمندر نہیں ہوں میں

خاک ایسی دوستی پہ کہ جب اس کے در پہ جاؤں
کہنے کو آوے خود ہی کہ گھر پر نہیں ہوں میں

ہوتا ہے اختلاف تو کہتا ہوں برملا
شاعر ہوں مقبروں کا مجاور نہیں ہوں میں

پیتا ہوں دھو کے غالبِ شیریں سخن کے پائوٗ
سمجھا کرے کوئی کہ سخنور نہیں ہوں میں

☆

اپنی حالت سدھارتا بھی نہیں
اور کسی کو پکارتا بھی نہیں

دعویِ عشق ہے بہت اس کو
زلفِ دوراں سنوارتا بھی نہیں

اجلے چہرے پہ غازۂ رنگیں
من کی رنگت نکھارتا بھی نہیں

بوجھ بھاری ہے چلنا مشکل ہے
بوجھ سر سے اتارتا بھی نہیں

خود سے لڑتا ہے رات دن فاروقؔ
جیتنا کیا ہے ہارتا بھی نہیں

☆

وقت کی آنکھ سے ٹپکے ہے شرارت کیسی
سرِ دیوار لکھی ہے یہ عبارت کیسی

جل نہ جائے کہیں ترتیبِ عناصر کا نظام
منجمد لمحوں سے نکلی ہے حرارت کیسی

زندہ رہنا ہے تو ہر حال میں مرنا ہوگا
زندگی دیتی ہے مجھ کو یہ بشارت کیسی

ڈوب کر آگ کے دریا میں سلامت نکلا
مجھ کو اس فن میں میسّر ہے مہارت کیسی

صاف پانی میں بھی مٹتی نہیں مچھلی کی بساندھ[1]
روح ناپاک ہو پھر تن کی طہارت کیسی

---

[1] خوئے بد را نکند صحبتِ نیکاں تاثیر
بوئے ماہی نہ رود گرچہ درونِ دریا
(صائبؔ)

☆

اگر حقیقتِ فرضی سمجھ میں آجائے
تو کاروبارِ ترقی سمجھ میں آجائے

تمام وہم و گماں آشکار ہو جائیں
خود اپنی ذات جو اپنی سمجھ میں آجائے

جو چھُو سکے ترا احساس سنگِ درویشی
تونگروں کی غریبی سمجھ میں آجائے

میں رمزِ عشق و محبت بیان کرتا ہوں
صلائے عام ہے جس کی سمجھ میں آجائے

ملے گا مجھ کو وراثت میں ترکۂ اسلاف
مرا سخن جو کسی کی سمجھ میں آجائے

☆

دل کا ارماں نکالتے رہیے
کھوٹے سکّے اچھالتے رہیے

زہر ہوتا ہے زہر کا تریاق
سانپ دامن میں پالتے رہیے

ہر بلندی کے بعد پستی ہے
خون پھر کیوں اُبالتے رہیے

پارسائی کا لگ نہ جائے زنگ
خواہشوں کو اُجالتے رہیے

بہتری اس میں ہے کہ چپ رہ کر
اپنی شامت کو ٹالتے رہیے

دلّی اب شہر ہے اُچکّوں کا
جیب دل کی سنبھالتے رہیے

سید میثم تمّار پروانہ ردولوی

فاروق ارگلی

(پروانہ صاحب کی کتاب "ہو بہو" سے)

چھوٹا چہرہ، چوڑی پیشانی، عقابی آنکھیں، ہونٹوں پر پان کی دھڑی جمی ہوئی اور گوری رنگت والے دبلے پتلے سے یہ صاحب جو پورے جسم سے بات کرتے نظر آتے ہیں، ادبی دنیا میں ان کو فاروق ارگلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

لگ بھگ ۴۰ سال قبل انھوں نے دہلی میں قدم رکھنے کے بعد "پرچون" کی ایک دوکان سے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا اور چونکہ موصوف کا تعلق یوپی کے ایک مردم خیز ضلع، فتحپور (ہسوا) سے ہے، اس لئے ادبی ذوق کے ساتھ وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا۔ جب دہلی میں پاؤں جم گئے تو ان کا ادبی ذوق نمایاں ہونے لگا۔ اور انھوں نے سودے کی پُڑیاں باندھنے کا پیشہ ترک کر کے قلم کی کاشت شروع کر دی۔

ابتداء میں "دیہاتی پستک بھنڈار" اور "رتن اینڈ کمپنی" جیسے اداروں کے لئے مختلف موضوعات جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں، پھر افسانہ نگاری اور ناول نگاری کے میدان میں کود پڑے۔ روبی، بیسویں صدی، فلم پوسٹ، فلمی دنیا جیسے رسالوں میں کام کیا اور خود اپنے بھی کئی پرچے جاری کر کے بند کئے۔

بابو جگ جیون رام سے رسم و راہ بڑھانے کے بعد ان کے بیٹے سریش کے یار غار بن گئے۔ ان کے تعاون سے اردو کا ایک بہت خوبصورت پندرہ روزہ اخبار "تیز گام" نکالا مگر وہ بھی اردو والوں کی سرد مہری کا شکار ہو کر بند ہو گیا۔

فاروق ارگلی کو اردو اور ہندی دونوں زبانوں پر پورا عبور ہے۔ دہلی میں میری نظر میں ایسا کوئی اور اردو کا قلم کار نہیں ہے جس نے فاروق ارگلی جیسی محنت کی ہو اور تہنیتی

☆

مرا وکیل دکھائے گا اب ذہانت کیا
میں اپنے قتل کا ملزم، مری ضمانت کیا

بُریدہ دست تعلق شکستہ پا رشتے
سبھی ادھورے تھے، کرتا کوئی اعانت کیا

وہ دشمنی میں بھی اچھا، کہ باشعور تو ہے
بوقتِ قہر بھی چہرے پہ ہے متانت کیا

گرا جو تیری نظر سے وہ ہو گیا آزاد
اب اس کے واسطے توقیر کیا اہانت کیا

وہ اہلِ زر ہے تو پھر اہلِ خیر بھی ہو گا
کسی غریب کا ایمان کیا دیانت کیا

☆

نکلا ہے آج یوں مرا ارمانِ خودکشی
ہے چارہ سازہ خود ہی نگہبانِ خودکشی

نازک تھی شاخ آشیاں ناپائدار تھا
پڑھ لکھ کے ہم نے کر لیا سامانِ خودکشی

صدرِ مشاعرہ تھا ابو جہل رات کو
میں نے بھی پڑھ دی نظم بعنوانِ خودکشی

ہے زندگی کے شہر پہ لاشوں کا اقتدار
اور زندگی کے واسطے اعلانِ خودکشی

فاروقؔ نے بھی پی ہی لیا زہرِ التفات
سایہ فگن رہے یونہی دامانِ خودکشی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

☆

شمعِ یقیں کی لو میں مقدّر تلاش کر
لفظوں کا جسم جذبوں کا پیکر تلاش کر

ملنے لگیں گی پھر سے عبادت کی لذّتیں
سجدوں کے واسطے نئے پتھر تلاش کر

اندھے کنوؤں میں جھانک رہا ہے، ملے گا کیا
خود اپنی چشمِ تر میں سمندر تلاش کر

نعروں سے انقلاب نہیں آسکا کبھی
آہوں سے گونجتا ہوا محشر تلاش کر

فاروقؔ کھو گیا ہے مسائل کی بھیڑ میں
اے دردِ عشق کوئی نیا گھر تلاش کر

دوستی کیا ہے دشمنی کہئے
اس اندھیرے کو روشنی کہئے

دھوپ میں تپ رہی ہے گلبدنی
آپ چاہیں تو چاندنی کہئے

زندہ رہنا بھی اِک کرامت ہے
جو ہے زندہ اسے ولی کہئے

جو وفا کر کے بھی نہ پچھتائے
ایسے عاشق کو لعنتی کہئے

حادثوں پر جو مسکراتا ہو
اس کو فاروقؔ ارگلی کہئے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

☆

خونِ جگر سے بہت دنوں تک بنا چکے تصویریں ہم
صدیوں سے بکھرے خوابوں کی اب دیکھیں تعبیریں ہم

اندھوں کی بستی میں کس نے دیا جلا کر رکھا ہے
بھول چکے ہیں تاریکی میں سورج کی تنویریں ہم

اپنی ذات کے قیدی بن کر یُگوں یُگوں سے بیٹھے ہیں
جذبوں کے زندان میں پہنے، لفظوں کی زنجیریں ہم

زندہ لاشوں کی دنیا میں چل پھر کر یہ سوچا ہے
مر کر ہی پھر کیوں نہ کریں کچھ جینے کی تدبیریں ہم

کون سُنے فاروقؔ یہاں پر، باتیں ہم دیوانوں کی
تنہائی کی بھیڑ میں اکثر کرتے ہیں تقریریں ہم

☆

صدیوں کی دولتیں نہ گنوادے، حیاتِ نو
تہذیبِ عاشقی سے سجادے، حیاتِ نو

سہہ کر ہزار ظلم یہاں تک تو آگئے
اس جرم کی جو چاہے سزادے، حیاتِ نو

اس دردِ آگہی سے تو ممکن نہیں نجات
اب گھول کر بھی چاہے پلادے، حیاتِ نو

وہ جس نے جان دی ہے اصولوں کے واسطے
مرقد پہ اس کے لکھ کے لگادے، حیاتِ نو

شو روم کھل گیا ہے مسیحا کا چوک میں
ہو جس کے پاس مال خریدے، حیاتِ نو

☆

ترنم ریز تھی جادو بیانی
حقیقت بن گئی ، جھوٹی کہانی

یہ دستورِ خدا ترساں ہے شاید
وہ قبل از قتل دکھلاتے ہیں پانی

ہوا تھا اور ہوگا، کچھ نہیں ہے
سنی یہ بات پھولوں کی زبانی

میں اندر سے سلگتا جارہا ہوں
چھپاکر درد کی آتش فشانی

پھر اس کے بعد کیا رہنا تھا باقی
محبت تھی بلائے آسمانی

میاں فاروقؔ شاعر ہوگئے ہیں
یہ پاگل پن کی ہے پہلی نشانی

سورج سب کے سر پر ہے
پھر بھی اندھیرا گھر گھر ہے

راہی رستہ بھول چکے
رہزن اپنا رہبر ہے

جھوٹ کے کالے چہرے پر
سچ کی سنہری چادر ہے

چھپ کر وار کیا کس نے
شاید کوئی برادر ہے

مِلن جدائی خوشیاں غم
سب کا وقت مقرر ہے

ایسا لگتا ہے دنیا
پیاس کا ایک سمندر ہے

کارڈوں سے لے کر تاریخِ اسلام تک کا مصنف ہو۔ آج کل وہ قرآن ہندی سوسائٹی کے زیرِ اہتمام کلام مجید کا ہندی ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔ انھوں نے مذہب، اخلاقیات، سماجیات، سیاسیات، ادبیات، فلمیات الغرض ہر موضوع پر اتنا کچھ لکھا ہے کہ اب خود ان کے لئے اپنی تخلیقات کا شمار ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

۳۴-۳۵ سال سے وہ میرے آشنا ہیں۔ حالانکہ وہ مجھے اپنا بڑا بھائی مانتے ہیں اور میرے ساتھ بالکل چھوٹے بھائی کی طرح پیش آتے ہیں مگر میں ان کو اپنے دوستوں میں شمار کرتا ہوں۔ روزنامہ "پرتاپ" میں مَیں ان کے کئی ناول قسط وار شائع کر چکا ہوں۔ ان ناولوں کے لئے ہم نے ان کو جو معاوضہ ادا کیا وہ بہت کم تھا، لیکن "پرتاپ" کے قارئین نے ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر اپنے طور پر انھیں کافی نوازا اور خود فاروق ارگلی کا بیان ہے کہ "دُور دُور سے 'پرتاپ' کے قارئین نے انھیں انعامی چیک بھیجے۔" ایسے چند چیک میں نے بھی بھجوائے جو قارئین نے ان کا پتہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے دفتر "پرتاپ" کو بھیج دیئے تھے۔

اب تو خدا کے فضل سے وہ عالمی اردو کانفرنس کے سکریٹری ہیں اور ان کے بچے بھی ماشاء اللہ جوان ہو کر برسرِ روزگار ہو چکے ہیں۔ مگر اب سے تقریباً ۱۵ سال قبل تک فاروق ارگلی ادب کے ایسے کاشتکار تھے جس کی قسمت میں بے انتہا محنت لکھی ہوئی تھی، کبھی وہ روزہ نماز کی ترکیبوں پر مشتمل کتابیں لکھتے تھے تو کبھی جاسوسی ناول۔ وقت پڑنے پر سہرے اور رخصتیاں لکھ کر بھی وہ اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کا سامان کر لیا کرتے تھے۔ انھوں نے ان گنت اردو ناولوں کو ہندی کے قالب میں ڈھالا، جادو ٹونے کی کتابیں لکھیں اور صابون سازی اور رنگ سازی وغیرہ کی تراکیب پر مشتمل صنعتی لٹریچر کی بھی تخلیق کی۔ لیکن ان کی جس تخلیق نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی گہرائی کا ثبوت پیش کیا وہ تھی "اردو کی کہانی اردو کی زبانی" جو مولانا عبدالوحید صدیقیؒ کے "ہما" اردو ڈائجسٹ کے اردو نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اردو اپنی زندگی کی کہانی مختلف ادوار میں مروجہ لب و لہجہ میں سناتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا عبدالوحید صدیقی مرحوم نے اس مضمون کے لئے جو فیس طے کی تھی وہ ادا کرنے کے علاوہ ان کی ہمت افزائی اور اپنی پسند کے اظہار کے طور پر الگ

☆

کس نے ساحل سے پکارا نہیں دیکھا کرتے
ڈوبنے والے کنارا نہیں دیکھا کرتے

وقت کے تازہ خداؤں کے پجاری اکثر
ڈھلتے سورج کا اشارا نہیں دیکھا کرتے

ظلم کی آگ میں بستی کو جلانے والے
راکھ میں ہنستا شرارا نہیں دیکھا کرتے

جس کو چھوڑ آئے ہیں پیچھے تو وہ جنت ہی سہی
مُڑ کے اس سمت دوبارا نہیں دیکھا کرتے

کہنے والے تو کھری بات کہا کرتے ہیں
ناگوارا کہ گوارا نہیں دیکھا کرتے

☆

حسن میں بے مثال ہو، کیا ہو
ہڈّیاں، ماس، کھال ہو، کیا ہو

نیند میں دیکھوں جاگ کر سوچوں
خواب ہو یا خیال ہو، کیا ہو

برسرِ اقتدار ہو لیکن
دشمنِ جان و مال ہو، کیا ہو

کیوں ڈراتے ہو عاقبت سے مجھے
تم خدا کے دلال ہو، کیا ہو

مے ہے باقی تو زندہ ہو تم بھی
ایک جامِ سفال ہو، کیا ہو

زندگی سے تو لڑ نہیں سکتے
یوں بڑے با کمال ہو، کیا ہو

☆

تاریکیوں سے تیرا پتہ پوچھتا نہ تھا
لیکن ترے سوا بھی کوئی سوجھتا نہ تھا

صدیوں کی دھوپ میں بھی پنپتا رہا یقین
یہ نخل اس طرح تو کبھی سوکھتا نہ تھا

بے چہرگی نے مجھ کو بھی پہچان بخش دی
پہلے تو کوئی مجھ کو یہاں دیکھتا نہ تھا

باقی نہیں وجود تو پھیلی ہیں خوشبوئیں
جب شاخ پر تھا پھول کوئی سونگھتا نہ تھا

احساس سے تو پہلے بھی عاری تھا وہ مگر
سنتے ہوئے فسانۂ غم اونگھتا نہ تھا

☆

آئے ہر موڑ پہ کچھ راہ دکھانے والے
نہ ملے ساتھ مگر میرا نبھانے والے

کھو گئے جانے کہاں بھیڑ میں فرزانوں کی
بزمِ گیتی کو لہو دے کے سجانے والے

"غمِ ہستی کا نہیں تھا کوئی جُز مرگ علاج"
اس لئے زندہ رہے ہنسنے ہنسانے والے

خار اور گل میں کوئی فرق ہی باقی نہ رہا
بن کے دِلدار چلے، دل کو دُکھانے والے

مجھ سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں میرا فاروقؔ
میرے دشمن ہوئے بیکار زمانے والے

☆

لہرے سُنے ہیں جب سے سیاست کی بین کے
پھرنے لگے ہیں سڑکوں پہ سانپ آستین کے

کوشش یہ کر رہے ہیں، کریں آسماں فروخت
سودے تو کر چکے ہیں خدا کی زمین کے

دن میں عبادتیں ہیں تو شب میں سیاستیں
رشتے بہت عجیب ہیں دنیا و دین کے

حرف و صدا نے دی ہے عقیدوں کو زندگی
الفاظ ترجمان ہیں گونگے یقین کے

صدیوں کی ٹوٹ پھوٹ سدھارو گے کس طرح
پُرزے کہاں ملیں گے پُرانی مشین کے

☆

بس اتنا کر کہ چہرے سے چہرہ اتار دے
پھر اس کے بعد زخم مجھے باربار دے

صدیوں سے ہے جہانِ محبت قمارگاہ
دل جیت لے کوئی تو یہاں جان ہار دے

جب ہو چکا ہے وقت کا کارِ جفا تمام
خونِ جگر ہی میری وفا کا وقار دے

صدیوں کا اجتہاد نہ ہو جائے رائگاں
ان کاغذی خداؤں کو باطل قرار دے

بھر دے شبیہِ عصر میں اپنے لہو کا رنگ
دستِ جنوں سے زلفِ زمانہ سنوار دے

مالک مرا عجیب کہ مانگے سے دے نہ کچھ
جب دینے پر وہ آئے تو پھر بے شمار دے

فاروقؔ کی دعا ہے کہ ہر شخص کو خدا
دولت نہ دے تو بیوی سلیقہ شعار دے

☆

دل کی رنگت نکھار لی ہم نے
اپنی دنیا سدھار لی ہم نے

ٹوٹتے خواب بھیگتے لمحے
رات ایسے گذار لی ہم نے

شعر آنکھیں ہیں اور غزل چہرہ
اس کی تصویر اتار لی ہم نے

حرفِ تخلیق تو بہانہ تھا
زندگی مستعار لی ہم نے

راستے میں بہت اندھیرا تھا
روشنی تک ادھار لی ہم نے

بُت بھی پوجے نماز بھی پڑھ لی
عاقبت یوں سنوار لی ہم نے

☆

ہو گیا دھواں دھواں حسنِ لالہ فام بھی
وقت نے بدل دیا ہے عشق کا نظام بھی

جیسے حشر ہے بپا، سامنے ہے پل صراط
نفسی نفسی میں کسے ہے فرصتِ سلام بھی

زندگی پہ راج ہے راون اور کنس کا
بے کسوں کا آسرا ہیں رام اور شیام بھی

چلتے چلتے رک رہا ہے کاروانِ زندگی
کاہشِ سفر بھی ہے کوششِ قیام بھی

جل چکے ہیں بال و پر، پھر بھی اڑ رہا ہوں میں
سرحدِ نگاہ تک دانہ بھی ہے دام بھی

☆

خوشی کے دور میں جو شادماں نہیں ہوتا
ہجومِ غم میں بھی وہ نوحہ خواں نہیں ہوتا

اسی کے قدموں پہ سورج نثار ہوتا ہے
کہ جس کے سر پہ کوئی سائباں نہیں ہوتا

عجیب کیا ہے جو اپنے ہوئے ہیں بیگانے
بدلتے وقت میں ایسا کہاں نہیں ہوتا

محبتیں نہ لٹائے جو دوسروں کے لئے
وہ اپنی ذات پہ بھی مہرباں نہیں ہوتا

مرے جنوں سے ہی بزمِ حیات روشن ہے
نہ ہوتا میں تو یہ رنگِ جہاں نہیں ہوتا

☆

خیالِ خام تھا سیرابیِ نظر ساقی
سمندروں میں بھی پیاسا ہے ہر بشر ساقی

اُڑان تیز ہے اتنی کہ تھم گیا منظر
رکا رکا سا ہے لمحات کا سفر ساقی

فضا میں تیر رہے ہیں قضا کے جرثومے
بسے ہیں دشت میں بارود کے نگر ساقی

وصالِ لالہ رُخاں سے گریز پائی ہے
کہ قربتوں میں ہے امراض کا خطر ساقی

کہاں وہ رند وہ پیمانے اور وہ صہبا
گئے زمانے کی باتیں نہ یاد کر ساقی

یہ خوف ہے تجھے گولی نہ مار دے کوئی
دروغ مصلحت آمیز بولا کر ساقی

سے کچھ رقم بھی پیش کی تھی۔

گذشتہ کچھ سالوں سے فاروق ارگلی نے شاعری بھی شروع کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو شاعر بنانے میں میرا (پروانہ رودولوی) سب سے بڑا ہاتھ ہے کیونکہ ان کی ابتدائی غزلوں اور نظموں کو سب سے پہلے میں نے ہی شائع کیا تھا، لیکن میں ان کے اس اعتراف کو محض ان کی خوش اخلاقی سمجھتا ہوں۔

فاروق ارگلی ایک بار جس کے دوست بن جاتے ہیں، اس سے زندگی بھر نباہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عالمی اردو کانفرنس سے ان کی وابستگی کے باوجود اس کانفرنس سے اختلاف رکھنے والے شاعروں، ادیبوں اور نقادوں سے ان کی دوستی ابھی تک باقی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ان افراد کو بھی اپنی نئی پوزیشن سے فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں جو عمر بھر ان کا استحصال کرتے رہے اور ان کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جس کا نمک کھاتے ہیں اس کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ قبل میری آنکھوں کے سامنے عین میرے دفتر کے نیچے انھوں نے اپنے ایک شاعر دوست کو بری طرح لتاڑا تھا۔ دونوں پورے جوش کے ساتھ ایک دوسرے کی شان میں ''قصیدے'' پڑھ رہے تھے۔ میری مفاہمانہ کوششیں بھی ناکام ہو گئی تھیں اور انھوں نے بآواز بلند اپنے شاعر دوست سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا تھا۔

دراصل اس شاعر دوست نے ان کے موجودہ آقا کے خلاف کچھ باتیں کہہ دی تھیں، لیکن چند دن بعد وہ اس شاعر دوست کی مدارات میں مصروف نظر آئے۔ میں نے استفہامیہ انداز میں ہنس کر انھیں دیکھا۔ وہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے جیسے ان کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر کمان کی طرح کئی بار جھکے اور صفائی دینے والے انداز میں کہا ''کیا کروں، ترکِ تعلق میری فطرت ہی میں نہیں---وغیرہ وغیرہ۔''

قدرت نے مزاج شناسی کا جوہر فاروق ارگلی میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ جس سے ملتے ہیں اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ غرور، زعم، برتری کا احساس ان میں نام کو بھی نہیں۔ خود کو ہمیشہ نہایت ناچیز، حقیر، کمترین اور چھوٹا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ چونکہ زندگی کا بیشتر حصہ اسٹرگل کی نذر ہوا ہے۔ اس لئے کڑے سے کڑے وقت میں بھی ان کے پائے استقلال میں جنبش نہیں پیدا ہوتی۔ لہو و لعب سے کوسوں دور ہیں، مگر دوستوں کے ساتھ پھنس

☆

آمادہ ہو گیا وہ جوابات کے لیے
الفاظ ڈھونڈتا ہوں سوالات کے لیے

پہچان کھو گئی ہے تشخّص نہیں رہا
اک جسم بِک رہا ہے مکافات کے لیے

دیر و حرم کا فرق مسائل میں گم ہوا
فتنے نئے جگاؤ فسادات کے لئے

چہرہ بدل چکے ہو تو دل بھی بدل کے آؤ
نکلے ہو گر جہاں میں کمالات کے لیے

جلوہ تو روبرو ہے یہ ذوقِ نظر کہاں
اندھے بھٹک رہے ہیں کرامات کے لیے

قدرت کہاں، کہ کرتا میں اس کی برابری
راضی نہیں خدا بھی مساوات کے لیے

☆

کہیں گیتا کا حوالہ کہیں قرآن کا تھا
اس کی ہر بات میں خطرہ مرے ایمان کا تھا

ذات کا زہر بھی میں لفظ کی شمشیر بھی میں
میرا قتل ایک بہانہ تری پہچان کا تھا

زندگی ایک جزیرہ تھی مرے سینے پر
اور میں ایک سمندر کسی وجدان کا تھا

قتل کرتے ہوئے وہ ہاتھ بھی انسان کے تھے
رائیگاں بہتا ہوا خون بھی انسان کا تھا

کٹ گئی عمر مگر طے نہ ہوا اے فاروقؔ
ذرا سا فاصلہ جو علم سے عرفان کا تھا

☆

گھڑ رکھی ہیں لوگوں نے کچھ روایتیں فرضی
عشق اک کہانی ہے اور چاہتیں فرضی

فاصلے سے دیکھا تو دشت بھی سمندر تھا
پاس جا کے پائی ہیں سب حقیقتیں فرضی

گلستانِ ہستی میں طالع آزمائی کیا
پھول جس کے بے معنی اور نکہتیں فرضی

آبرو کی قیمت کیا، چند کاغذی سکے
عفتیں ہیں بے مایہ اور عصمتیں فرضی

آجکل سیاست میں رائی ایک پربت ہے
جھوٹ کے تقابل میں سچ کی عظمتیں فرضی

☆

سرِ مقتل بھی وہ آتا تو دعا لے جاتا
زندگی کے لئے مرنے کی ادا لے جاتا

مانگتا پیار سے تو بخش بھی دیتا اس کو
میرا سب کچھ وہ بجز نامِ خدا لے جاتا

مال کے ساتھ ہی اعمال بھی میں چھوڑ چلا
ساتھ میں لایا تھا کیا ساتھ میں کیا لے جاتا

شرم سے آنکھ چُرانے کی ضرورت کیا تھی
اپنی عزت کے لئے میری وفا لے جاتا

چور گھس آیا تھا خواہش کی کھلی کھڑکی سے
میں جو بیدار نہ ہوتا تو چرا لے جاتا

☆

نئی فضا مغموم سی ہے
تازہ ہوا مسموم سی ہے

صدیوں سے پیاسی دنیا
پاکر بھی محروم سی ہے

کیا جینا کیا مرجانا
یہ ہستی مرحوم سی ہے

بن کر پھول بکھرنے کو
ایک کلی معصوم سی ہے

پیار جہاں پر بستا تھا
وہ بستی معدوم سی ہے

کچھ بھی نہیں فاروقؔ کے پاس
آس بھی بس، موہوم سی ہے

☆

اگر تھی دیر تو کارِ ربوبیت میں تھی
مری دُعا تو مقامِ قبولیت میں تھی

اگر نہیں ہے تو ہے اور ہے تو کچھ بھی نہیں
عدم کی بات تو اصلِ وجودیت میں تھی

ردائے جسم بھی مستور کس طرح رکھتی
برہنگی تو ہماری خصوصیت میں تھی

عبادتوں نے تراشا ہے پیکرِ یزداں
مری رضا بھی تو شاملِ عبودیت میں تھی

خسارے میں بھی نفع تھا تجارتِ دل میں
دکانِ عشق کسی کی شمولیت میں تھی

☆

لہو کا داغ ہوں اور دامنِ قاتل میں رہتا ہوں
میں کانٹا بن کے اکثر دشمنوں کے دِل میں رہتا ہوں

نکلوایا ہے جرمِ صدق نے شہرِ صداقت سے
میں اب صورت بدل کر کوچۂ باطل میں رہتا ہوں

پسِ چہرہ عبارت پڑھ لیا کرتا ہوں چہروں سے
نتیجے میں ہمیشہ اِک نئی مشکل میں رہتا ہوں

بہت چھوٹی ہے دُنیا میری وسعت کے تقابل میں
بصد کوشش سمٹ کر میں خلا کے بِل میں رہتا ہوں

☆

جیب خالی ہے، آن بان سے ہیں
ظرف والوں کے خاندان سے ہیں

بن گئے ہیں وطن میں پردیسی
اپنے ہی گھر میں میہمان سے ہیں

ہم اڑیں بھی تو چھو نہیں سکتے
وہ زمیں پر بھی آسمان سے ہیں

اونچے مینار ڈھہ چکے کب کے
ہم بھی گرتے ہوئے مکان سے ہیں

ہم سمندر ہیں لفظ و معنی کا
دیکھنے بھر کو بے زبان سے ہیں

☆

ایک مٹھی خاک کو دُنیا کہیں
اور کیا ہے جس کو ہم اپنا کہیں؟

کچھ گھروندے، کچھ کھلونے، چند لفظ
کیا اِسے نسلوں کا سرمایہ کہیں؟

راہ بھولے ہیں تو اب جائیں کدھر
گمرہی کو ہی چلو، رَستا کہیں

یہ ہے موجودہ سیاست کا اصول
ہم کہیں ایسا تو وہ ویسا کہیں

میں بُرا ہوں اس کی نظروں میں تو کیا
کیا ضروری ہے کہ سب اچھا کہیں

☆

تعلق کو رسوا کیا جائے نا
ترا نام ہم سے لیا جائے نا

یہ صد چاک دامانِ مہر و وفا
سیاست کے ہاتھوں سیا جائے نا

محبت کا اظہار برسوں سے ہے
یہ زہراب تو ہم سے پیا جائے نا

یہ نفرت تعصب تشدد کا شور
کہ ایسے میں یک پل جیا جائے نا

حقیقت ہے یہ بے وفا ہم نہیں
یہ الزام ہم کو دیا جائے نا

[1] قطب شاہ اردو کی عظمت ہے تو
فراموش صدیوں کیا جائے نا

---

[1] سلطان قلی قطب شاہ۔ اردو کا اولین شاعر، مشہور غزل "پیا باج پیالہ پیا جائے نا"

جائیں تو خود کو دوستوں کے رنگ میں رنگ لینے میں انھیں کوئی عذر نہیں ہوتا۔

ان کے دوستوں میں جامع مسجد کے شابوؤں سے لے کر پارلیمنٹ کے ممبر اور وزراء تک شامل ہیں۔ سب سے وہ اس کے مزاج کے مطابق ربط وضبط رکھتے ہیں۔ کسی کی مدد کر کے انھیں بہت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مگر ان کے کچھ دوست ایسے بھی ہیں جو ان کے جذبۂ رفاقت کو مجروع کرتے رہتے ہیں پھر بھی میں نے کبھی ان کی زبان سے ایسے دوستوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا۔

فاروقی ارگلی میں کچھ کمیاں بھی ہیں، سب سے بڑی کمی تو یہ ہے کہ وہ انگریزی تعلیم سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ انھیں اگر باقاعدہ انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور اس زبان میں مہارت حاصل کرنے کا موقع مل جاتا تو آج انگریزی کا کوئی ایسا ناول نہ بچا ہوتا جس کا انھوں نے ترجمہ کر کے وہ رکھ دیا ہوتا۔ لیکن میرے خیال میں انھیں اتنی انگریزی تو آتی ہی ہے جتنی بقول مولانا حالی پانی پتی، سر سید احمد کو آتی تھی۔ اس لئے ان کی اس کمی کا اندازہ عام لوگوں کو نہیں ہو پاتا۔ میں نے انھیں اکثر غیر ملکی لوگوں اور دانشوروں سے جو عالمی اردو کانفرنس میں شرکت کے لئے آتے رہے ہیں۔ انگریزی میں بات چیت کرتے ہوئے پایا ہے۔ میں اسے فاروقی انگریزی کہتا ہوں، جس میں وہ کبھی کبھی بات کرتے ہیں۔

معلوم نہیں وہ اس تبصرے سے خوش ہیں یا ناخوش لیکن یہ ضرور معلوم ہے کہ اگر وہ ناخوش بھی ہوں گے تو کوئی انتقامی کاروائی نہ کریں گے کیونکہ ان کے وجود میں "انتقام" کا خانہ خالی ہے۔

مجھے فاروق ارگلی کا وہ دور اچھی طرح یاد ہے جب وہ بھوکے پیاسے کان پر قلم رکھ کر گھر سے نکلتے تھے، کسی اخبار یا رسالہ میں طب جدید پر کوئی مضمون لکھ کر آٹے کی پیسے لیتے تھے اور کسی پبلشر کی دوکان پر "عمل تسخیر قلب" تحریر فرما کر دال کے دام وصول کرتے تھے۔ کسی کے لئے چائے کی صرف ایک پیالی کے عوض دھرمیندر اور ہیمامالنی کے عشق کی داستان قلم بند کرتے تھے اور کسی پبلشنگ بھنڈار یا پبلشنگ ہاؤس کے لئے جاسوسی، جنسی یا رومانی ناول تحریر کر کے عید کی سوئیوں یا شبِ برات کے حلوے کا انتظام کرتے تھے۔ ہر شخص ان کو ایکسپلائٹ کرتا تھا۔ وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تھے اور پھر دوسرے دن یہی عمل شروع کر دیتے تھے۔ لیکن اس دور میں بھی ان کے چہرے پر مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ وہی مسکراہٹ

☆

اَنا کے نیزے پہ سر رکھ کے سر بلند ہوئے
لُٹا کے ہوش زمانے میں ہوشمند ہوئے

کوئی اصول نہ آدرش، صرف آزادی
یہی اصول تھا سب جس پہ کاربند ہوئے

عجیب اپنی نظر تھی، کوئی جچا بھی نہیں
پسند جن کو کیا وہ بھی خود پسند ہوئے

رذیلِ شہر تھے لیکن سیاستوں کے طفیل
امیرِ شہر کے فرزند ارجمند ہوئے

بھلائی کر کے بُرائی ملی ہے بدلے میں
بُرا کیا کہ تعلق میں دردمند ہوئے

☆

محبوب سے وصال کی فرصت نہیں رہی
اب ہجر کے ملال کی فرصت نہیں رہی

ہوتا ہو شاید آج بھی دستِ عطا دراز
لیکن ہمیں سوال کی فرصت نہیں رہی

غلطاں ہیں فکرِ فردا میں رندانِ میکدہ
زاہد کو قیل و قال کی فرصت نہیں رہی

اب مہ رُخوں کو نانِ شبینہ کی فکر میں
آرائشِ جمال کی فرصت نہیں رہی

"بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے"
ایسے کسی خیال کی فرصت نہیں رہی

☆

روشنی کا عزم، پھولوں کا مقدر چاہیے
عشق کی پرواز میں خوشبو کا شہپر چاہیے

کس طرح ٹکرایئے حالات سے شیشے کا دل
اِس زمانے میں فقط سینے میں پتھر چاہیے

رہبروں کے بھیس میں پھرتے ہیں ہر سُو راکشش
اِن خبیثوں کے لیے کالی کا کھپّر چاہیے

زلزلوں میں سوچتے ہیں بالاخانوں کے مکیں
زندہ رہنے کے لیے بس ایک چھپّر چاہیے

کعبۂ دل ڈھانے نکلا ہے ہَوس کا ابرہا
جذبِ صادق کی ابابیلوں کا لشکر چاہیے

شرم والوں کے لیے تو ایک چُلّو بھی بہت
جانے کیسے لوگ ہیں جن کو سمندر چاہیے

☆

مہرباں ہوتا رہا وقت جفاکاروں پر
بجلیاں ٹوٹ کے گرتی رہیں گلزاروں پر

رہبرِ امن اسی شہر کا باشندہ ہے
خون کے داغ نظر آتے ہیں دیواروں پر

عشق جب سے ہوا بیگانۂ اندازِ جنوں
عقل خنداں ہے محبت کے طلبگاروں پر

آرزو ان کے ارادوں کو جواں رکھتی ہے
اہلِ دانش کی یہ تہمت ہے وفاداروں پر

راز کھل جائے تو ہو اس کا لعینوں میں شمار
لعنتیں بھیج رہا ہے جو خطا کاروں پر

☆

چراغِ فکر جلاتا ہوں روشنی کے لیے
میں موت سامنے رکھتا ہوں زندگی کے لیے

ستم یہ ہے کہ کرم بے حساب ہے اس کا
ستم بھی چاہیے تھوڑا سا دوستی کے لیے

بہت کٹھن ہے سفر بحرِ آرزو کا مگر
شعورِ ذات سفینہ ہے آدمی کے لیے

وہ خشک پتّا بھی اُڑنے لگا فضاؤں میں
جدا ہوا جو شجر سے سبک سری کے لیے

مرے لیے تو سبھی ایک ہیں بلا تخصیص
بنا ہوں جیسے میں اُن سب کی دشمنی کے لیے

☆

حلقۂ رزق میں رقصاں ہیں طوائف کی طرح
بزمِ امروز کے اربابِ ہنر ہیں یہ لوگ

ہیں تو سرسبز مگر ایسے کہ سایہ نہ ثمر
گلشنِ علم و بصیرت کے شجر ہیں یہ لوگ

ناپ کر ارض و سما کرتے ہیں تاروں کا شمار
ہندسوں سے انھیں تولیں تو صفر ہیں یہ لوگ

آہن و سنگ کے جنگل کے مہذب باسی
ان کے اطوار پہ شک ہے کہ بشر ہیں یہ لوگ

ان کے گھر دیکھو تو جنّت کا تصور دھندلائے
ابنِ شدّاد بعنوانِ دگر ہیں یہ لوگ

صاحبِ اقتدار کا چہرہ
برسرِ روزگار کا چہرہ

زندگی اک تھکا تھکا سایہ
یا کسی زیرِ بار کا چہرہ

غنچے پتھر کے پھول شعلوں کے
کیا یہی ہے بہار کا چہرہ

دیکھ کر مجھ کو آج وہ بولا
یہ ہے غم سے فرار کا چہرہ

کس نے دیکھا ہے آج تک فاروقؔ
وقت کے اعتبار کا چہرہ

☆

دُور سے دیکھا تو وہ چہرے سے دانشور لگے
پاس آنے پر وہ فکر و فن کے سوداگر لگے

سربلندی کی اکڑ نے اس کو بونا کر دیا
وہ اگر تھوڑا سا جھک جائے تو قد آور لگے

شور اتنا ہے کہ میں کانوں سے بہرا ہو گیا
جب کوئی کہتا ہے نیتا جی، تو اسمگلر لگے

گہری تاریکی میں رہ کر کس قدر بے خوف تھا
چاندنی میں اپنی پرچھائیں سے مجھ کو ڈر لگے

چاند سے چہرے بھی خالی پیٹ بے چہرہ لگیں
بھوک میں اِک خشک روٹی چاند سے بڑھ کر لگے

چھن گئی پرواز شاہینوں سے، یہ ہے انقلاب
جو زمیں پر رینگتے تھے اُن کو جیسے پَر لگے

☆

یہ ایک سایہ مرے آس پاس کس کا ہے
اگر یہ میں ہوں تو خوف و ہراس کس کا ہے

میں اپنی روح پہ اپنا وجود پہنے ہوں
مجھی کو یاد نہیں یہ لباس کس کا ہے

عجیب جشن ہے، چہروں کی بھیڑ ہے ہر سو
یہ کون دیکھے کہ چہرہ اداس کس کا ہے

وفا کے دَم سے ہے قائم محبتوں کی اساس
یہ دعویٰ کس نے کیا، یہ قیاس کس کا ہے

بہت تلاش کیا، اب بھی جستجو میں ہوں
کہ ایک دل بھی محبت شناس کس کا ہے

☆

یہ تماشہ تو مقدر سا لگے ہے مجھ کو
دشمنی میں بھی وہ دلبر سا لگے ہے مجھ کو

مہرباں ہو کے وہ دیکھے تو لرز جاتا ہوں
پھول پھینکے ہے تو پتھر سا لگے ہے مجھ کو

لوحِ احساس سے اب اس کا مٹانا بہتر
میرا "میں" حرفِ مکرّر سا لگے ہے مجھ کو

راس آنے لگا ہر لمحہ نئی موت کے ساتھ
زندگی تجھ سے تو اب ڈر سا لگے ہے مجھ کو

ایک وہ ہے کہ جو پیاسا رہا دریا پی کر
جبکہ قطرہ بھی سمندر سا لگے ہے مجھ کو